ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
14 تا 20 مارچ 2002ء

☆ نفاق.....حقیقت و مراحل (منبر و محراب)
☆ یہود و نصاریٰ کے نئے اہداف اور امت مسلمہ کی بے بسی! (اداریہ)
☆ واقعہ گودھرا ریلوے سٹیشن کی حقیقت (افکار معاصر)

قیام پاکستان کا پس منظر

ہندوستان کا ہندو غیر ملکی حکمرانوں (انگریزوں) کی نگاہ میں کچھ زیادہ ہی بے ضرر اور مسکین تھا' چنانچہ ایک طرف خود اس نے نئے حکمرانوں کے ساتھ توافق و تعاون میں مسلمانوں پر پیش قدمی کی اور دوسری طرف غیر ملکی حکمرانوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ چنانچہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہندو قوم میں عام بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ من حیث القوم ایک نئے جذبے اور نئی امید کے ساتھ قومی تعمیر نو کے کام میں منہمک ہوگئی..... ہندوؤں میں اس قومی بیداری کے ساتھ ساتھ مسلمان دشمنی کے پرانے لیکن دبے ہوئے جذبات بھی ایک دم جاگ اٹھے۔ نتیجتاً انگریزی استعمار کے سائے میں ہندو امپیریلزم نے انگڑائیاں لینی شروع کیں.....اور اس طرح ہندوستان میں ہندو مسلم کشمکش کے دورِ جدید کا آغاز ہوگیا!

یہ کشمکش ابتداء ہی سے بڑی شدید تھی اور پوری ہندو قوم میں مسلمانوں کی تقریباً آٹھ سو سالہ غلامی کا ردعمل ایک دم پوری شدت کے ساتھ ظاہر ہونا شروع ہوگیا تھا.....مسلمان قوم کے سوادِ اعظم نے اس ابھرتی ہوئی طاقت کے کچوکوں اور چڑھتے ہوئے سیلاب کے ریلوں کو محسوس کرنا شروع کر دیا۔ زندگی کے ہر میدان میں ہندوؤں نے منظم طریقے سے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی اور ان کے نفرت بھرے تعصب کا مظاہرہ ہر سمت ہونے لگا!.....یہی نہیں بلکہ ہندو امپیریلزم کا یہ عفریت کچھ ایسے انداز اور جوش و خروش سے اٹھا کہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہندوستان کی پوری مسلم قومیت کو نگل کر بالکل نیست و نابود کر دے۔

یہ حالات تھے جن میں ہندوستان میں مسلم قوم پرستی کی تحریک نے قوت پکڑنی شروع کی اور ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے قومی تشخص کے بقاء کی فکر دامن گیر ہوئی۔

(امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ''اسلام اور پاکستان'' سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرہ (۵۸)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَکُمْ کَمَا سُئِلَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝﴾ (آیات: ۱۰۸ تا ۱۱۰)

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح کے سوال کرو جیسے پہلے (حضرت) موسیٰؑ سے پوچھے گئے تھے اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر اختیار کر لیتا ہے تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک چکا ہے۔ (اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے ایک کثیر تعداد یہ چاہتی ہے کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد کسی طرح تمہیں واپس کفر میں لے جائیں' محض اپنے دلی حسد کی وجہ سے' اس (حقیقت) کے باوجود کہ حق ان پر اچھی طرح واضح ہو چکا۔ پس تم درگزر کرو اور (انہیں) نظر انداز کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے' بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور تم اپنے لئے جو بھی خیر آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے' جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے یقیناً دیکھ رہا ہے۔''

زیر درس پہلی آیت میں یہود کی کج بحثی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کی یہ عادت رہی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر بلا چون و چرا عمل کرنے کے بجائے ان سے بے سروپا سوال اور مطالبے کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر اس قوم نے اللہ تعالیٰ کو اس وقت تک ماننے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے اس کی ذات کا مشاہدہ نہ کر لے۔ حضور اکرم ﷺ کے دور میں بھی ان کی یہ روش برقرار رہی اور وہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرنے کے لئے مختلف معجزات اور خرق عادت واقعات کا تقاضا کرتے۔ مثلاً آنحضور ﷺ سے ان کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ جب تک تم کوئی ایسی قربانی پیش نہ کرو کہ جس پر آسمان سے آگ برس کر اسے بھسم کر دے' ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ جو فرد یا گروہ حق کو پہچاننے اور دلی طور پر قبول کرنے کے باوجود ضد یا تعصب کے باعث اسے ماننے سے انکار کر دیتا ہے وہ سمجھ لے کہ درحقیقت وہ راہ ہدایت سے ہٹ کر گمراہی کے راستوں پر بہت دور نکل گیا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اکثریت اس کوشش میں لگی رہتی کہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں' انہیں کسی طرح ورغلا کر راہِ حق سے برگشتہ کر دیں اور واپس حالت کفر میں لوٹا دیں۔ دراصل بنو اسماعیل میں نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت اور قرآن حکیم کے نزول کے باعث مسلمانان عرب کو جو شرف و مرتبہ حاصل ہوا تھا' اہل کتاب اس پر شدید حسد کا شکار تھے۔ وہ اب تک اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ آخری نبی کی بعثت بنی اسرائیل میں ہوگی۔ اس فضیلت سے محرومی نے ان کے سینوں میں حسد اور بغض کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ حق کو پوری طرح جاننے اور پہچاننے کے باوجود اپنے کینہ اور بغض کے باعث وہ چاہتے تھے کہ مسلمان راہ حق سے کنارہ کش ہو کر اس فضیلت سے محروم ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ایک خاص مدت تک اس صورت حال کو برداشت کریں اور اہل کتاب سے کسی قسم کا جھگڑا مول نہ لیں۔ مشیت ایزدی میں ابھی ان کو مزید ڈھیل دینا ہی مقصود ہے۔ جب ان سے معاملہ کرنے کا موقع آئے گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو کیفر کردار تک پہنچا دے گا۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دلجمعی کے ساتھ اللہ کے احکام اور دینی فرائض کی بجا آوری میں لگے رہیں۔ کوئی مسلمان جو بھی نیکی کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت کے لئے جمع ہو جاتی ہے۔ یہ نیکی چاہے صالح اعمال کی صورت میں ہو یا صدقات و خیرات کی شکل میں' ضائع ہرگز نہیں ہوگی۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان بھلائی کا جو کام بھی کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے!

☆ ☆ ☆

فرمانِ نبوی

اہل کتاب کے ہاتھوں شہادت پر دوہرا اجر

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ جَاءَ تِ امْرَاَۃٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَھَا اُمُّ خَلَادٍ وَھِیَ مُنْقَبَّۃٌ تَسْاَلُ عَنِ ابْنِھَا وَھُوَ مَقْتُوْلٌ فَقَالَ لَھَا بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْاَلِیْنَ عَنِ ابْنِکِ وَاَنْتِ مُنْقَبَّۃٌ فَقَالَتْ اِنْ اَرْزَاَ ابْنِیْ فَلَنْ اَرْزَاَ حَیَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ابْنُکِ لَہٗ اَجْرُ شَھِیْدَیْنِ قَالَ لِمَ ذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِاَنَّہٗ قَتَلَہٗ اَھْلُ الْکِتٰبِ (رواہ ابوداود)

حضرت ثابت بن قیس کے باپ سے ان کے دادا جان نے فرمایا کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کو ام خلاد کہا جاتا ہے اور اس نے نقاب ڈالا ہوا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعض اصحاب نے اس سے کہا کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے متعلق پوچھنے آئی ہو اور تم نے نقاب ڈالا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میرا بیٹا مجھ سے جاتا رہا ہے تو کیا ہوا' میری حیا تو نہیں گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا اجر ہے۔ وہ عرض گزار ہوئی کہ یا رسول اللہ یہ کس وجہ سے؟ فرمایا کیونکہ اسے اہل کتاب نے شہید کیا ہے''۔

ایک بات تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کے دور میں پردے کے احکامات آنے کے بعد عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالتی تھیں اور ایسے غم کے موقعوں پر بھی اللہ کے احکامات کا پاس کرتی تھیں جن پر عموماً انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ لیکن قربان جائیے ان ماؤں پر جو اللہ کی رضا کی خاطر بیٹوں کی موت پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتیں۔ دوسری بات جو سامنے آئی وہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاتھوں اگر کسی مسلمان کی شہادت ہوتی ہے تو اسے دوہرے ثواب سے نوازا جاتا ہے۔ آج کل افغانستان اور فلسطین میں تو پھر مسلمان دوہرا ثواب کما رہے ہیں کہ اہل کتاب کے ہاتھوں شہادت پا رہے ہیں۔

"تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 11 شمارہ 10

14 تا 20 مارچ 2002ء

(۲۹ ذوالحج تا ۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت : 5 روپے

سالانہ زرِتعاون :

اندرونِ ملک..... 250 روپے

بیرونِ پاکستان:

☆یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ

..... 1500 روپے

☆امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ

..... 2200 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

سردار اعوان

یہود و نصاریٰ کے نئے اہداف اور اُمت مسلمہ کی بے بسی!

افغانستان میں طالبان اور القاعدہ کے خاتمہ کے بعد اگلے ہدف یعنی صدام حسین کے خلاف حملے کی تیاری کے سلسلے میں امریکی نائب صدر ڈک چینی اس وقت مشرق وسطیٰ کے دورہ پر ہیں جہاں وہ اردن کے بعد مصر پہنچے ہیں۔ ادھر امریکہ کی پیروی میں اسرائیل نے فلسطینی مسلمانوں پر بم اور راکٹ برسانے کا سلسلہ تیز تر کر دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدل و انصاف اور اخلاق کے مسلمہ اصولوں کا خون کرتے ہوئے فلسطینیوں کو کچلنے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ امریکہ نے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کی خاطر جو کام پاکستان سے طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف لیا تھا اسی نوعیت کی مدد اب صدام حسین کے خلاف عرب ممالک سے لینا چاہتا ہے۔ طالبان کے خلاف امریکہ کو اپنی خدمات فراہم کرنے کا ایک فوری صلہ پاکستان کو یہ ملا کہ اس کی سرحد پر بھارتی افواج نے ڈیرے ڈال لئے ہیں تاکہ اسے مستقلاً یہ احساس رہے کہ وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہے اور اگر بھارت میں رہنے والے مسلمان شہریوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے تو پاکستانی مسلمانوں کو ان کا غم کرنے کی بجائے اپنی پڑی رہے۔ عرب ممالک کے پاس بھی ظاہر ہے کہ کسی چوں چراں کی گنجائش نہیں ہے اور پاکستان نے جو مثال پیش کی ہے' انہیں بھی اسی کی پیروی کرنا پڑے گی۔ اس کے نتیجہ میں عرب مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹے گی' اس کے خیال سے بھی کپکپی طاری ہوتی ہے۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ دنیا کا نظام کیا اب اسی نہج پر استوار ہو گا اور جیسا کہ مسلمانوں کی شکست اور زوال پر یورپ اور امریکہ میں فتح کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں' کیا مسلمانوں کو اب ہمیشہ یورپ اور امریکہ کا غلام بن کر رہنا پڑے گا! بحالاتِ موجودہ تو یہی نظر آتا ہے کہ ایسا ہی معاملہ ہو گا لیکن اگر انسانی تاریخ اور بالخصوص امت مسلمہ کے عروج و زوال کے حوالہ سے دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک عارضی مرحلہ ثابت ہو گا اور بالآخر فتح حق کو حاصل ہو گی' جس کی پیشین گوئیاں ان تینوں مذاہب یعنی یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں موجود ہیں۔ البتہ ہو گا یہ بہت بڑے جانی نقصان کے بعد!

ظاہر ہے یہ جانی نقصان مسلمانوں کا ہو گا جنہوں نے اللہ کے دین سے بے وفائی اور غداری کے باعث خود کو عذاب کا مستحق بنا لیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے اللہ کی مدد حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے' اور وہ یہ کہ مسلمان اللہ کے دین اور اس کی کتاب کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اللہ کے دین کو غالب و قائم کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو اللہ کی غیبی تائید و نصرت مسلمانوں کو حاصل ہو گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو معجزاتی فتح عطا فرمائیں گے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سپر پاور دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ پر مشتمل قوم کو ہمیشہ کے لئے غلام بنا لے جو کہ اس سے پہلے آج تک نہیں ہوا۔ حالات ان شاء اللہ بدل کر رہیں گے —— رہا یہ سوال کہ ایک مسلمان کو موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ تو اس میں شاید ہی کوئی دو آراء ہوں کہ وہی کرنا چاہئے جو ہر غیرت مند انسان کا شیوہ ہے یعنی خود حق پر قائم ہو' دل و جان سے حق کا ساتھ دے اور باطل اور طاغوتی طاقتوں سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے دینِ حق کے غلبے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ oo

☆ نفاق کا خطرہ کن لوگوں کو ہوسکتا ہے؟

☆ شعوری اور غیر شعوری نفاق میں کیا فرق ہے؟

☆ ضعف ایمان اور نفاق کی سرحدیں کہاں ملتی ہیں؟

☆ ایمان کی متضاد کیفیات ''کفر'' اور ''نفاق'' کی حقیقت کیا ہے؟

☆ نفاق کے کتنے مراحل ہیں؟ اور کس مرحلے پر یہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے؟

''حقیقتِ نفاق'' کے موضوع پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے یکم مارچ 2002ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

کسی چیز کی حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس چیز کی ضد (Antonym) کو بھی جاننے کی کوشش کی جائے۔ آج کل ان اجتماعات جمعہ میں ہمارا موضوع چونکہ ''ایمان'' ہے لہٰذا اسی حوالے سے میری آج کی گفتگو کا موضوع ایمان کی وہ متضاد کیفیات ہیں جنہیں ایمان کی ضد کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پر واضح ہو چکا کہ ایمان کے دو درجے ہیں' اور اس حوالے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک قانونی ایمان ہوتا ہے اور دوسرا حقیقی۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ قانونی ایمان کی سطح پر ایمان کی ضد کفر ہے۔ کوئی شخص کھلم کھلا کہتا ہے کہ میں نہیں مانتا اللہ' رسول یا آخرت کو تو وہ کافر ہے۔ جبکہ حقیقی یا باطنی ایمان کے اعتبار سے ایمان کی ضد نفاق ہے۔ منافق حقیقی ایمان سے محروم ہونے کے باوجود قانونی طور پر مسلم شمار ہوتا ہے۔ چونکہ زبان سے وہ ایمان کا اقرار کرتا ہے لہٰذا دنیا میں اسے کوئی شخص کافر نہیں کہہ سکتا۔ ہاں حضور ﷺ کسی کے بارے میں فرما سکتے تھے کہ یہ منافق ہے کیونکہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے علم عطا فرماتا تھا' لیکن حضور ﷺ کے بعد اب کسی شخص کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ معین طور پر کہہ سکے کہ تم منافق ہو۔ نفاق دراصل ایک بیماری' ایک روگ ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں بھی صراحت موجود ہے ﴿فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا﴾ یہ مرض تو ہے اور رہے گا لیکن ہم کسی کو معین کے ساتھ منافق نہیں کہہ سکتے۔ ہاں کسی کو اس کے قول و فعل کی بنیاد پر کافر قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ کافر تو ایک قانونی شناخت ہے۔ کافر اور مسلم کا تعین قانونی سطح پر ہوتا ہے جبکہ منافق اور مومن کا معاملہ یہ نہیں ہے۔

یہ جو ایمان کی دو متضاد کیفیات ہیں' کفر اور نفاق' ان میں حقیقت نفاق کو سمجھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ کفر کو تو ہم جانتے ہی ہیں اس کے بارے میں بحث کی ضرورت نہیں ہے لیکن نفاق ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کا اندیشہ تو ہر صاحب ایمان شخص کو ہونا چاہئے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ''نفاق سے اپنے آپ کو صرف منافق محفوظ سمجھتا ہے۔ اور اپنے بارے میں نفاق کا خطرہ صرف مومن ہی محسوس کرتا ہے''۔ سیدھی سی بات ہے کہ جس کے پاس کوئی دولت ہو گی اسے ہی چوری' ڈاکے کا خطرہ لاحق ہو گا۔ جس کے پاس کچھ نہ ہو اسے کاہے کا ڈر اور خطرہ۔ بقول شاعر ع ''رہا کھٹکا نہ چوری کا' دعا دیتا ہوں رہزن کو''۔ چنانچہ جلیل القدر صحابہ کو بھی اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ رہتا تھا۔ ایک واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی حضرت حذیفہؓ کو کچھ منافقین کے نام بتا دیئے تھے لیکن ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ تمہارے پاس یہ میرا راز رہے گا جو کسی کو بتانا نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کی نفاق کے حوالے سے تشویش کی جو کیفیت تھی وہ نوٹ کر لیجئے۔ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ ان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں بس مجھے اتنا بتا دو کہ کہیں میرا نام تو ان میں نہیں تھا۔ اندازہ کیجئے' ہم اس معاملے میں کیسے بے پرواہ ہیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ نفاق سے ہمارا کیا تعلق' جبکہ حضرت عمرؓ جیسے عظیم صحابی کو اپنے بارے میں اندیشہ رہتا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت حنظلہؓ اپنے گھر سے نکلے' ایک عجیب کیفیت ان پر طاری تھی' وہ کہہ رہے تھے ''حنظلہ منافق ہو گیا' حنظلہ منافق ہو گیا''۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ حنظلہؓ کیا کہہ رہے ہو؟ کہنے لگے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جب میں حضور ﷺ کی محفل میں ہوتا ہوں تو میرے دل کی کچھ اور کیفیت ہوتی ہے' اور جب اپنے گھر بار میں آ کر اپنے دنیاوی معمولات میں مشغول ہو جاتا ہوں تو وہ کیفیت نہیں رہتی' یہی تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ دلی کیفیت کا یہ فرق تو میں بھی محسوس کرتا ہوں' چلو حضور ﷺ سے پوچھتے ہیں۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں' یہ نفاق نہیں ہے' شدت ایمانی کے حوالے سے تمہاری جو کیفیت میری مجلس میں ہوتی ہے وہ اگر مستقل ہو جائے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر مصافحہ کرنے لگیں۔ دراصل یہ کیفیت تو گاہے بگاہے ہی حاصل ہو سکتی ہے' اس پر دوام نہیں ہو سکتا۔ دنیوی مشاغل میں مصروفیت کے باعث ایمان کی وہ شدت برقرار نہیں رہ سکتی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھنے کی ہے جو بہت گہری ہے۔ جس طرح ایمان کی دو علیحدہ علیحدہ کیفیات سمجھے بغیر مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ پیچیدگیاں بڑھ جاتی ہیں' نفاق بھی دو قسم کا ہے۔ ایک شعوری نفاق اور دوسرا غیر شعوری نفاق۔ شعوری نفاق یہ ہے کہ کوئی شخص دھوکا دینے کے لئے ایمان لایا ہو۔ مثلاً حضور ﷺ کے زمانے میں بعض یہودیوں نے یہ طے کیا کہ یہ جو اسلام کی ساکھ بن گئی ہے کہ جو ایمان لے آتا ہے خواہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں وہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا' اس کو ختم کرنے کے لئے یوں کرو کہ صبح ایمان لاؤ اور شام کو مرتد ہو جاؤ۔ یہ ایک سازش تھی اور ظاہری بات ہے کہ جو اس سازش کے تحت ایمان لایا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ یہ سچ مچ کا ایمان نہیں ہے بلکہ دھوکا ہے۔ وہ صبح سے شام تک حضور ﷺ کی محفل میں مسلمان بن کر رہا' لوگوں نے اسے مسلمان ہی سمجھا ہے۔ اگر اس دوران وہ مر جاتا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی' کیونکہ حالت اسلام میں اس کا انتقال ہوا' حالانکہ اسے بھی معلوم ہے کہ میں ایمان لایا ہی نہیں۔ آج کی دنیا میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اخبارات میں کبھی کبھی ایسی

خبریں نظر آ جاتی ہیں کہ سرحدی دیہات میں کوئی ہندو جاسوس مسلمان بن کر مسجد میں کئی کئی سال امامت کرتا رہا۔ اس شخص کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام نہیں لایا' یہ سب دھوکا ہے۔ یہ ہے شعوری نفاق۔ لیکن قرآن میں اکثر و بیشتر جس نفاق کا ذکر ہے وہ غیر شعوری نفاق ہے۔ اس لئے کہ اکثر مقامات پر جہاں منافقوں کا معاملہ زیر بحث آتا ہے وہاں ﴿وھم لا یشعرون﴾ کے الفاظ آتے ہیں' یعنی ''انہیں شعور نہیں ہے'' یا ﴿ھم لا یعلمون﴾ ''وہ جانتے نہیں ہیں'' کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں جبکہ نفاق ان کے دل میں گھر کر چکا ہوتا ہے۔

اس غیر شعوری نفاق کو سمجھنا ہی اصل میں سب سے ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ ہم پر بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔ نفاق دراصل جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کترانے کا نتیجہ ہے۔ جہاد میں جان و مال کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس میں اوقات اور صلاحیتوں کو کھپانا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب جہاد و قتال کا مسئلہ آ جائے تو پھر سچے اہل ایمان کو تو اس سے زیادہ خوشی اور کوئی نہیں ہوتی کہ ان کی جانیں اللہ کی راہ میں چلی جائیں۔ جیسا کہ جگر کا شعر ہے

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

دوسری طرف مدینہ کی بستی میں ایسے لوگ بھی موجود تھے کہ جن کے دلوں میں مال و دولتِ دنیا کی محبت کے باعث نفاق کا مرض پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ بھی چونکہ مسلمان تھے اس لئے انہیں جانا تو پڑتا تھا۔ لہٰذا چاروناچار ساتھ چل رہے ہیں یا کوئی جھوٹا بہانہ بنا کر آپؐ سے اجازت لے لی' لیکن کسی طریقے سے بات نہیں بنی اور جانا ہی پڑا تو پیچھے پیچھے ہی رہیں گے۔ آگے نہیں جائیں گے۔ خطرہ مول نہیں لیں گے۔ بہرکیف جہاد فی سبیل اللہ سے جان چرانے کا نتیجہ نفاق ہے۔

لیکن اس ضمن میں ایک بڑا باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ہوگا۔ ایک کیفیت ہے ضعفِ ایمان کی' ایک ہے نفاق کی' ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن یہ آپس میں اس طرح جڑے ہیں کہ انہیں الگ کرنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً اللہ کے دین کے لئے جان کھپانے کی پکار آتی ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں' چاہے ہلکے ہو چاہے بوجھل۔ فرض کیجئے کوئی شخص نہیں جا سکا' جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب ابن مالکؓ کے ساتھ ہوا کہ وہ لشکر کے ساتھ نہیں جا سکے۔ حضور ﷺ جب اس مہم سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان لوگوں سے وضاحت طلب کی جو پیچھے رہ گئے تھے۔ منافقوں نے تو جھوٹی قسمیں کھائیں اور اپنے آپ کو بچا لیا۔ لیکن حضرت کعبؓ نے کہا حضور میرے پاس بھی زبان ہے' میں بھی جھوٹی قسمیں کھا سکتا ہوں لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں جتنا صحت مند اس زمانے میں تھا اتنا صحت مند کبھی نہیں رہا اور مالی اعتبار سے جتنی فراغت اس وقت تھی اتنی کبھی نہیں رہی۔ میرے پاس کوئی عذر نہیں' میں اپنی کوتاہی تسلیم کرتا ہوں۔ اس اعتراف پر انہیں سزا دی گئی۔ ۵۰ دن مقاطعہ رہا کہ کوئی مسلمان ان سے بات نہ کرے۔ یہ معاملہ نفاق کا نہیں بلکہ ضعفِ ایمان کا تھا۔ وقتی طور پر کسی صاحبِ ایمان کا ایمان اتنا کمزور ہو جائے کہ کسی عملی کوتاہی کا صدور ہو جائے' لیکن اسے تسلیم کر لے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لے تو اسے ضعفِ ایمان کہیں گے۔ یہ نفاق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لمحہ جس میں وہ عمل سرزد ہوا یقیناً ضعفِ ایمان کا تھا' یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس لمحہ کے لئے ایمان دل سے خارج ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جب انسان گناہ کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل کر اس کے سر کے اوپر ایک پرندے کی طرح منڈلاتا ہے۔ توبہ کرتا ہے تو واپس آ جاتا ہے'' گویا کہ اس نے عدمِ ایمان کی کیفیت میں وہ گناہ کیا۔ یا ایمان اتنا کمزور تھا کہ وہ اسے غلط عمل سے روک نہیں سکا۔ لیکن اسے نفاق نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اس شخص نے اعتراف کیا' اپنی غلطی مان لی' جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن یہاں سے آگے نفاق کی سرحد شروع ہوتی ہے جب کوئی شخص اپنی کوتاہی پر جھوٹے بہانے بنانے لگے۔ جھوٹ بول کر اجازت لینا منافقین کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ جب انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب دوسرے لوگوں پر ہمارا جھوٹ ظاہر ہونے لگا ہے تو اب اس میں زور پیدا کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھانا شروع کر دی۔ خدا کی قسم میں مجبور ہوں' میرے حالات ہی ایسے تھے کہ میرے لئے جہاد و قتال کے لئے نکلنا ناممکن تھا' وغیرہ۔ یہ دوسری سٹیج ہے۔ یہاں تک اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن جب نفاق کی بیماری تیسرے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے تو لاعلاج ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ منافقوں کے دل میں اہل ایمان کے خلاف بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ دراصل جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے اہل ایمان کی جو آمادگی تھی وہ منافقین کو Expose کرتی تھی۔ اگر تمام مسلمان بیٹھے رہتے اور جہاد کے لئے نہ نکلتے تو کسی پر بھی الزام نہ آتا۔ اس وجہ سے منافقوں کے دل میں اہل ایمان کے لئے بغض پیدا ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر منافقوں کو حضور ﷺ کی ذات سے بغض تھا کہ انہوں نے ہمارے لئے مصیبت پیدا کر دی۔ بلکہ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ خواہ مخواہ انہوں نے چھیڑ چھاڑ کر کے جنگ شروع کر لی' جنگوں کی کیا ضرورت تھی۔ بس دعوت کے ذریعے بات پہنچاتے۔ دس برس میں نہ سہی' ۵۰ برس یا ۱۰۰ برس میں کام ہو جاتا۔ یہ جو جنگیں شروع کر دی ہیں اس سے انہوں نے ہمارے لئے مصیبت پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا انہیں زیادہ دشمنی حضور ﷺ سے تھی۔

نفاق کی ان تین Stages کو سمجھ لینا بہت ضروری ہے تاکہ ان سے بچنے کی شعوری کوشش کی جا سکے۔ سب سے پہلی تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان جھوٹے بہانے بنا کر دین کے تقاضوں سے بچنا شروع کر دے۔ دوسرا مرحلہ یہ کہ اپنے جھوٹ کو مؤکد کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھائے۔ اور تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ اہل ایمان سے بغض پیدا ہو جائے۔ یہ بھی جان لیجئے کہ مسلمانوں میں دو قسم کے لوگ ایسے ہیں جن پر نفاق کے حملے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ پہلی قسم ان کی ہے جن کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ دین کی دعوت اور اقامت کے لئے جدوجہد یا جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ پھر یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ کا تقاضا بغیر جماعت کے پورا نہیں ہوتا۔ اور جماعت بھی ڈھیلی ڈھالی نہیں بلکہ سمع و طاعت کے مضبوط نظم والی جماعت ہو۔ جو لوگ ایسی کسی جماعت سے وابستہ ہو گئے لیکن اس کے بعد محسوس ہوا کہ نفس پر قابو پانا اور جماعتی ڈسپلن کی پابندی بڑا بھاری کام ہے یا دعوت دین کے لئے وقت خرچ کرنا پڑ رہا ہے جس کے باعث معیشت کا معاملہ مشکل ہو گیا ہے' یا یہ اندیشہ ہوا کہ اب تو کوئی سخت مرحلہ آنے والا ہے' ممکن ہے پکڑ دھکڑ شروع ہو جائے' جیلوں میں ٹھونس دیئے جائیں۔ ان اندیشوں کے تحت اگر وہ پیچھے پلٹتے ہیں تو یہ لوگ مرضِ نفاق کی زد میں ہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کو اس جماعت کی کسی پالیسی سے اختلاف ہو جائے اور اس بنیاد پر وہ جماعت سے علیحدہ ہو جائے تو یہ ایک بالکل مختلف معاملہ ہے' اس لئے کہ آج اقامتِ دین کے لئے کام کرنے والی کوئی بھی جماعت نبی کی جماعت نہیں ہے کہ اس سے اختلاف نہ کیا جا سکے۔ اگر آپ کو ایک وقت میں کسی جماعت کا موقف ٹھیک معلوم ہوا لیکن آگے چل کر آپ کو خیال ہوا کہ نہیں یہ راستہ تو غلط تھا' یا آپ پر منکشف ہوا کہ راستہ پہلے تو صحیح تھا اب غلط ہو گیا ہے' اگر اس وجہ سے علیحدہ ہو گئے تو کوئی بات نہیں۔ اللہ نیتوں کے حال کو جانتا ہے۔ لیکن اگر خوف سے' ڈر سے' ڈسپلن کے بوجھ سے' انفاق فی سبیل اللہ سے کنی کترا کر اور جان و مال کی حفاظت کے خیال سے پسپائی اختیار کی تو یہ راستہ نفاق کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہی کیفیت ذرا کم تر درجے میں ایسے لوگوں کی ہوگی جن کو شعوری طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام صرف نماز روزے کا دین نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مکمل نظام زندگی ہے' مکمل نظامِ حیات ہے اور اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ غلبہ از خود نہیں ہوگا بلکہ اس کام کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی' قربانیاں دینا ہوں گی' کسی جماعت کا نظم اختیار کرنا ہوگا۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کسی جماعت پر بھی انشراح ہو جائے کہ یہ جماعت ٹھیک ہے' اس کا قائد بھی ٹھیک ہے' اس کا طریقہ کار بھی ٹھیک ہے لیکن اگر

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

ریاست پاکستان کی ناکامی کا ذمہ دار کون؟

مرزا ایوب بیگ

(دوسری قسط)

اگرچہ ضیاء دور سے پہلے کے سیاست دان بھی کسی سنجیدگی یا اصول پسندی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے تھے لیکن ۱۹۸۵ء میں جب صدر ضیاء الحق نے جمہوریت بحال کی تو سیاست دانوں نے جس غیر سنجیدہ اور بچگانہ رویئے کا مظاہرہ کیا اس نے جمہوریت کو مذاق بنا دیا۔ اراکین اسمبلی اغوا ہوئے' انہیں ہوٹلوں اور سیر گاہوں کی چار دیواریوں میں محبوس کیا گیا۔ اسمبلی ممبران کے بازار سجے' ان کی نیلامیاں ہوئیں اور وہ زیادہ بولی دینے والے کی حمایت میں اسمبلی کے اندر ہاتھ اٹھا دیتے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں جب بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنی اور اسلامی جمہوری اتحاد کے نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو لوگ اخبار پڑھ کر یوں ہنستے اور قہقہے لگاتے تھے جیسے چٹ پٹے لطیفے پڑھ رہے ہوں جبکہ ملک و قوم کا درد رکھنے والے لوگ اپنے قائدین کی ان حرکتوں پر خون کے آنسو روتے تھے۔ ان دنوں وزیر اعلیٰ پنجاب اور وزیر اعظم پاکستان کی جنگ اس نوعیت کی ہو رہی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت یہ خبر بھی آ سکتی ہے کہ وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو پنجاب کی حدود سے گزرتی ہوئی گرفتار کر لی گئیں یا وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف اسلام آباد میں گرفتار کر لئے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو پچپن سال میں دو مقبول عام عوامی لیڈر ملے۔ ایک پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو جبکہ اپنی دختر نیک اختر بے نظیر کے اور دوسرے شریف فیملی کے میاں نواز شریف۔ لیکن اسے قوم اور ملک کی بدقسمتی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی مارشل لاء اور فوجی ڈکٹیٹروں کی باقیات تھے لہٰذا زبردست عوامی حمایت سے انتخابات جیتنے کے باوجود وہ جمہوری مزاج نہیں رکھتے تھے۔ دونوں نے عوامی آمریت قائم کرنے کی کوشش کی۔ دونوں نے جمہوری اور عوامی لیڈر ہونے کے باوجود اداروں کو تباہ و برباد کرنے اور اختیارات کو اپنی ذات میں مرکوز کرنے کے لئے جو انداز اختیار کیا اسے پاگل پن کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اقتدار کی ہوس نے دونوں کو اندھا کر دیا ہے اور اپنی ذات کے سوا انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کے دور میں رینجرز اور پنجاب پولیس کا آمنا سامنا یوں ہوا جیسے آج سرحد پر پاکستان اور بھارت کی فوجیں آمنے سامنے مورچہ زن ہیں۔ صوبے اور مرکز کے درمیان ہر سطح پر جنگ جاری تھی۔ قومی بینک چونکہ مرکز کے تحت ہوتے ہیں لہٰذا مخالف صوبائی قیادت کی ملوں کو قرضے کی فراہمی روک دی گئی۔ صوبے نے نہلے پر دہلا مارا اور پنجاب بینک کے نام سے نیا بینک کھول لیا۔ سپریم کورٹ پر حملہ بھی اسی جمہوری دور میں ہوا۔ کیسا بھیانک ہوگا وہ منظر جب عدالت عظمیٰ کے جج جان بچانے کے لئے بھاگ رہے ہوں گے اور ان پر پتھراؤ کرنے والوں کو کہا جا رہا ہوگا کہ اس معرکہ سے فارغ ہو کر پنجاب ہاؤس میں قیمے والے نان سے آپ کی ضیافت کی جائے گی۔ ایک آئینی ترمیم کے ذریعے حکومتی اراکین اسمبلی کے منہ بند کر دیئے گئے کہ جو ممبر جماعتی فیصلے کے خلاف رائے زنی کرے گا اس کی رکنیت اسمبلی ختم ہو جائے گی۔ صحافیوں پر بغاوت کے مقدمے قائم کئے گئے' مخالف اخبار کے دفتر پر حملے کرائے گئے۔ گویا انتظامیہ کے سربراہ جمہوریت کے بقایا تمام ستونوں (عدلیہ' مقننہ اور صحافت) کو گرانے پر تل گئے تھے۔ یہ سیاسی بچہ جمہوروں کی مختصر ترین تصور کشی تھی۔

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔ عدل اسلام کا کیچ ورڈ (catch word) ہے لہٰذا خیال تو یہ تھا کہ پاکستان میں عدل و انصاف کا بے مثل نظام قائم کیا جائے گا۔ تاریخ اسلام میں قاضی حضرات کے ایسے ایسے فیصلوں کا ذکر ہے کہ ان کی جرأت کو سلام پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ سیاسی سطح پر کمزوریوں اور ہوس اقتدار کا معاملہ تو تاریخ اسلام میں جا بجا نظر آتا ہے لیکن بہت کم واقعات ایسے ملتے ہیں کہ مسلمانوں نے عدل و قسط کا دامن چھوڑا ہو۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد بھی عدلیہ نے بعض اچھی روایات قائم کیں اور بعد ازاں بھی چند ایک جرأت مندانہ اور مبنی برحق فیصلے ہوئے' لیکن بحیثیت مجموعی عدلیہ کی کارکردگی غیر تسلی بخش ہی نہیں بلکہ انتہائی ناقص رہی اور ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے کہ پاکستان کو بحیثیت ریاست ناکامی کی راہ پر گامزن کرنے میں عدلیہ نے بھی بہت بڑا اور اہم رول ادا کیا۔ عدلیہ کی اس ناقص کارکردگی پر تبصرہ کرنے سے پہلے انگلستان کی ماضی قریب کی تاریخ سے ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا مفید رہے گا۔ جنگ عظیم دوم شروع ہو چکی تھی۔ جرمن آندھی و طوفان کی طرح آگے بڑھ رہے تھے اور ہٹلر خوف و ہیبت کا سمبل بنا ہوا تھا۔ ایسے دنوں میں چرچل سے زیادہ مصروف اور کون ہو سکتا تھا لیکن جنگی مصروفیات کے باوجود وہ ایک روز اپنے دفتر جانے کی بجائے لندن کی عدالت عظمیٰ میں جا پہنچا اور چیف جسٹس سے اس کے چیمبر میں ملاقات کر کے کہا کہ می لارڈ میں آپ سے ایک سوال پوچھنے آیا ہوں اور وہ یہ کہ کیا ہماری عدالتیں عوام کو انصاف مہیا کر رہی ہیں! چیف جسٹس نے پورے یقین اور وثوق سے کہا کہ یقیناً ہماری عدالتیں انصاف مہیا کر رہی ہیں۔ اس پر چرچل نے نعرہ لگایا کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی ـــــ جسٹس رشید پاکستان کے پہلے چیف جج تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے انہیں وزیر اعظم ہاؤس میں ایک فنکشن میں مدعو کیا لیکن ان کا جواب تھا: ڈیئر وزیر اعظم! چونکہ حکومت کے خلاف ایک مقدمہ میری عدالت میں زیر سماعت ہے لہٰذا اس کا فیصلہ ہونے تک میں آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوئی دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ بعد ازاں منصفین حضرات کا رویہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ ہم نے یہ کریہہ منظر بھی دیکھا کہ چیف جسٹس آف پاکستان ہوائی اڈا پر صدر پاکستان کا استقبال کر رہے ہیں۔ ایک اخباری تصویر تو بہت ہی دل آزار تھی جس میں چیف جسٹس صدر پاکستان کی خدمت میں یوں مودب کھڑے ہیں کہ محسوس ہوتا تھا جیسے صدر صاحب اپنے پرسنل سٹاف کے ساتھ کھڑے ہوں۔

مولوی تمیز الدین کیس پاکستان کی عدالتی تاریخ کا پہلا سیاسی مقدمہ تھا۔ سندھ ہائی کورٹ نے گورنر جنرل غلام محمد کے اسمبلی کے خلاف قدم کو واضح طور پر غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس نے حکومت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ آج یہ بات پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ فیصلہ پاکستان کی جڑ اور بنیاد پر کلہاڑا ثابت ہوا۔ نظریۂ ضرورت کا یہ پہلا استعمال تھا جو ملک کے لئے بہت مہلک اور ضرر رساں ثابت ہوا۔ پھر جب مارشل لاؤں کا دور شروع ہوا تو اس نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ جب فوج ایوان اقتدار میں زبردستی گھس جائے تو جج بیچاروں کے پاس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے سوا کیا چارہ ہے لیکن راقم کی رائے میں اگر پہلے مارشل لاء کے نفاذ پر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے تمام ججز اپنی کرسیاں خالی کر دیتے تو فوجی آمریت کا راستہ روکا جا سکتا تھا۔ ان کے پاس ایک واضح عذر اور موثر دلیل موجود تھی کہ جس آئین کے تحت انہوں نے اس عہدے کا حلف اٹھایا تھا وہ ختم کر دیا

گیا ہے لہٰذا ان کے کام جاری رکھنے کا کوئی اخلاقی و قانونی جواز نہیں۔ لیکن ایسے جرأت مندانہ اقدام کرنے کی بجائے انہوں نے فوجی آمروں کو عدالتی تحفظ دیا جس سے پاکستان میں جمہوریت آتی جاتی رہی اور وہ ایک ایسی دنیا میں جو جمہوری اور انسانی حقوق کے حوالہ سے بہت حساس ہو چکی ہے اپنی عزت اور وقار قائم نہ رکھ سکا۔

مولوی تمیز الدین کیس کے بعد جس سیاسی مقدمہ نے بڑی شہرت پائی وہ نصرت بھٹو کیس تھا۔ اس میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس کیس میں جج صاحبان نے نظریہ ضرورت کو علی الاعلان ایک حقیقت تسلیم کیا اور اپنے فیصلے کے ذریعے مارشل لاء کو قانونی جواز فراہم کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق جس روز نصرت بھٹو کیس کا فیصلہ سنایا جانا تھا اس سے ایک رات پہلے کسی وی آئی پی فنکشن میں حکومت کی ایک اہم شخصیت نے چیف جسٹس سے کہا کہ سنا ہے کل آپ نصرت بھٹو کیس کا فیصلہ سنا رہے ہیں' کیا آپ بتائیں گے کہ فیصلہ کیا آ رہا ہے۔ چیف صاحب نے بتایا کہ ہم نے رٹ مسترد کر دی ہے اور مارشل لاء کو جائز قرار دے دیا ہے۔ اس پر وہ صاحب بولے' یہ تو ٹھیک ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ کیا آپ جنرل صاحب کو آئین میں ترمیم کرنے کا حق بھی دے رہے ہیں۔ اس پر چیف صاحب نے بتایا کہ وہ جنرل ضیاء الحق کو آئین میں ترمیم کا حق تو نہیں دے رہے۔ اہم حکومتی شخصیت نے چیف جسٹس کو طنزیہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب آپ پی سی او کے ذریعے چیف جسٹس بنے تھے اور پی سی او کے ذریعے ہی نکالے بھی جا سکتے ہیں۔ راوی کا کہنا ہے کہ چیف صاحب اس فنکشن سے فارغ ہو کر آدھی رات کو کورٹ پہنچے اور اپنے ہاتھ سے فیصلہ میں ترمیم کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق کو آئین میں ترمیم کرنے کا حق بھی دے دیا۔

صدر ضیاء الحق نے اپنے چنیدہ وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی اسمبلی توڑ دی تو یہ حکم عدالت میں چیلنج کر دیا گیا۔ ابھی کیس چل رہا تھا کہ جنرل ضیاء الحق فضائی حادثہ کا شکار ہو گئے۔ عدالتی کارروائی سننے والے گواہ ہیں کہ عدالت کا انداز بھی بدل گیا۔ فیصلہ کرنے سے پہلے جونیجو کو عدالت میں طلب کر کے پوچھا گیا کہ اگر آپ کی حکومت بحال کر دی جائے تو انتخابات کب تک ہو جائیں گے۔ انہوں نے جواب کے لئے ایک دن کی مہلت طلب کی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جونیجو حکومت بحال کر دی جائے گی۔ اگلے دن جونیجو نئی اچکن پہن کر عدالت پہنچے لیکن یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ اگرچہ ضیاء الحق کا حکم بدنیتی پر مبنی تھا لیکن جونیجو حکومت بحال نہیں کی جائے گی اور فوری طور پر انتخابات کروا دیئے جائیں گے۔ عجیب و غریب فیصلہ تھا! سوال یہ ہے کہ اس حکم کو جسے آپ خود کہتے ہیں کہ بدنیتی پر مبنی تھا' کالعدم قرار دے کر جونیجو حکومت بحال کیوں نہ کی گئی! بعد ازاں انکشاف ہوا کہ نئے آرمی چیف مرزا اسلم بیگ نے عدالت کو فون کر کے حکم دیا تھا کہ چونکہ عوام فوری انتخابات کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہیں لہٰذا جونیجو حکومت بحال نہ کی جائے۔ عدالت نے بلا چون و چرا اپنا فیصلہ بدل لیا۔

ہماری عدلیہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی بجائے حکومتی دباؤ بھی قبول کرتی رہی ہے اور عوامی موڈ بھی دیکھتی رہی۔ ۱۹۸۸ء میں بے نظیر حکومت اور ۱۹۹۰ء میں نواز شریف حکومت بالکل ایک جیسے الزامات پر ختم کر دی گئیں لیکن جج صاحبان نے بے نظیر کی اسمبلی توڑنا جائز اور نواز شریف کی حکومت ختم کرنا ناجائز قرار دیا۔ ۲۰ مارچ ۱۹۹۶ء کے اس عدالتی فیصلہ کو' جس کے ذریعے ایک جج کو مقرر کرنے کا طریقہ کار طے کیا گیا اور اس میں حکومتی مداخلت کو محدود کیا گیا' قانون کی دنیا میں بہت سراہا گیا۔ اسے تاریخ ساز فیصلہ قرار دیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس فیصلہ پر نیک نیتی سے عمل درآمد عدالتوں کو حکومتی مداخلت سے باز رکھ سکتا تھا لیکن بعد میں آنے والی نواز شریف اور مشرف دونوں حکومتوں نے اس فیصلہ کے پرخچے اڑائے جس پر کسی جج نے کوئی اعتراض یا احتجاج نہ کیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ فوجی حکومتوں کو جائز قرار دینا اور پی سی او کو قبول کر لینا ہر مرتبہ قابل مذمت سمجھا گیا لیکن ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے فوجی اقدام کو ایک بار پھر آئینی تحفظ فراہم کر دیا گیا۔ ایک بار پھر فرد واحد کو آئین میں ترمیم کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ پی سی او کو آسمانی حکم سمجھ کر قبول کر لیا گیا اور جس آئین کے تحفظ کی قسم کھائی گئی تھی اسے بھاری بوٹوں تلے روندنے کی اجازت دے دی گئی۔ قارئین یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ ضیاء الحق دور میں جب پنجاب ہائی کورٹ میں بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ چل رہا تھا تو چیف جسٹس مولوی مشتاق نے ایوان صدر اور عدالتی کمرے کے درمیان ہاٹ لائن قائم کر دی تھی۔ ظاہر ہے اس ہاٹ لائن کا مقصد اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ یہ عدالت اور صدر کے درمیان مقدمہ لحہ بہ لحہ discuss ہو سکے جبکہ یہ بات انصاف کے زریں اصولوں کی توہین ہے۔ پھر جس انداز میں یہ فیصلہ سامنے آیا اس پر سری لنکا کے چیف جسٹس نے کہا تھا کہ یہ انصاف کے ماتھے پر سیاہ دھبہ ہے۔ ہمارے عدالتی فیصلوں پر ضیاء الحق کے فرزند ارجمند اعجاز الحق کا تبصرہ بھی چشم کشا ہے۔ اعجاز الحق نے ببانگ دہل کہا تھا کہ میرے والد زندہ ہوتے تو میں دیکھتا کہ عدالت جونیجو اسمبلی توڑنے کا حکم بدنیتی پر مبنی کیسے قرار دیتی!

بہر حال اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہماری عدلیہ مردان حق سے بالکل خالی رہی ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی عدلیہ کی مصلحت پسندی اور قوت کے سامنے جھک کر عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ جانے کی روش نے ملک کو بہت نقصان پہنچایا۔ عوام کا عدلیہ پر اعتماد ختم ہوا اور اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والا ملک اسلام کے سنہری اصول عدل سے دستکش ہو کر ناکامی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

(جاری ہے)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام بھارت کے خلاف احتجاجی جلسہ و مظاہر

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام پریس کلب لاہور میں بھارت میں جاری مسلم کش فسادات اور شہید ہونے والے مسلمان بھائیوں سے اظہار ہمدردی کے لئے ایک اجتماعی جلسہ منعقد ہوا' جس سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد' مولانا امجد خان اور امیر تنظیم اسلامی لاہور مرزا ایوب بیگ نے خطاب کیا۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بھارت میں جاری حالیہ فسادات ہندوؤں کی پیدائشی تنگ نظری کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر مسلمانوں نے توبہ نہ کی تو کروڑوں مسلمان قتل ہوں گے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستان کو جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا اس کا نفاذ کیا جائے۔ تقریب سے قبل شرکاء نے لاہور پریس کلب کے باہر مظاہرہ کیا۔ شرکاء نے بینر اٹھا رکھے تھے جن پر بھارتی مسلمانوں کے قتل عام کی مذمت کی گئی تھی۔

واقعہ گودھرا ریلوے سٹیشن کی حقیقت

ارشاد احمد حقانی

ریٹائرڈ سینئر بیوروکریٹ اور اب ''جنگ'' کے کالم نویس جناب جیون خان کی صاحبزادی کی اگلے روز شادی تھی۔ وہاں میرے پاس ایک اور انتہائی سینئر بیوروکریٹ تشریف فرما تھے۔ گپ شپ کے دوران ہندوستانی صوبے گجرات کے مسلم کش فسادات زیر بحث آئے تو ان صاحب نے مجھ سے پوچھا ''حقانی صاحب! ہم مسلمان کیوں اپنی پوزیشن کی کمزوری اور ضعف کو فراموش کر دیتے ہیں اور ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جن سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے! گودھرا کے مسلمانوں کو آخر کیا ضرورت تھی کہ ایودھیا سے آنے والی گاڑی کو جلاتے اور ۵۸ ہندوؤں کو ہلاک کر دیتے؟'' میں نے ان سے عرض کیا کہ گودھرا کا المیہ کس طرح وقوع پزیر ہوا' ابھی اس کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا ممکن نہیں۔ ہندوستانی حکمرانوں نے بھی کہا ہے کہ اس واقعے کی انکوائری ہائی کورٹ کے کسی جج سے کرائی جائے گی۔ یوں بھی اب تک متضاد اطلاعات ہیں اور قطعیت سے یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ حادثہ کس طرح ظہور پزیر ہوا۔ اب امریکہ کے موقر اخبار ''واشنگٹن پوسٹ'' نے اپنے دو نمائندوں کی لکھی ہوئی جو تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے اس سے صورتِ حال پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ رپورٹ لکھنے والے دونوں نمائندے ہندو ہیں اس لئے ان سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بیانِ واقعات میں ہندوؤں پر بے جا تنقید کریں گے یا مسلمانوں کی بے جا مدافعت۔ ان کا فطری رجحان ہوسکتا ہے تو اس کے برعکس ہی ہوسکتا ہے اس لئے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے حقیقت تک پہنچنے میں کافی مدد ملتی ہے۔

پہلے گودھرا کے بارے میں چند حقائق! شہر کی آبادی قریباً ڈیڑھ لاکھ ہے اور مسلمانوں کا تناسب ۴۵ فیصدی سے کچھ زیادہ ہے۔ شہر کے دو حصے ہیں۔ ریل کی پٹڑی کے ایک طرف (زیادہ تر) مسلمان آباد ہیں دوسری طرف ہندو۔ دونوں حصوں کے درمیان بہت کم تجارتی' معاشرتی یا ثقافتی تعامل پایا جاتا ہے۔ ہندو حصے کے باشندے دوسرے حصے کو بالعموم پاکستان کہتے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی ہندوستان سے وفاداری کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں آباد ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد تقسیم کے وقت موجودہ پاکستانی علاقوں سے نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئی تھی اور اس کی آمد پر بھی مسلمانوں کے خلاف جارحیت اور نسل کشی کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۲ء میں بھی یہاں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں نے دنگا فساد کیا تھا۔ ہندوستان کی حکومتوں نے ہمیشہ گودھرا کو ان شہروں میں شمار کیا ہے جہاں فرقہ وارانہ تشدد اور تصادم کا امکان سب سے زیادہ رہتا ہے۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ گجرات صوبہ جس میں گودھرا کا شہر واقع ہے' ہندوستان کی واحد ریاست ہے جہاں بی جے پی کی حکومت بلاشرکت غیرے قائم ہے۔ اس کے وزیر اعلیٰ مسٹر نریندر مودی اپنے مسلم دشمن جذبات کے لئے بہت پرانے بدنام ہیں اور ماضی میں بھی جب بھی ان کا بس چلا ہے انہوں نے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے سے انکار کیا ہے۔

اب آیئے تازہ واقعہ کی طرف! سبرامتی ایکسپریس جس میں رام مندر کی تعمیر کی ابتدائی تقریبات میں شرکت کر کے آنے والے وشوا ہندو پریشد کے کارکن سفر کر رہے تھے جب گودھرا اور احمد آباد کے لئے روانہ ہوئی تو ''واشنگٹن پوسٹ'' کے نمائندے راجیو چندراسیکرن کے مطابق اس میں سوار ہندو انتہا پسند پورے سفر کے دوران مسلمانوں کے خلاف نعرے لگا رہے تھے' بالخصوص اس کے دو ڈبوں میں سوار نوجوان ہندو مسلسل اشتعال انگیز حرکات کر رہے تھے۔ گاڑی میں انہوں نے دہشت کی فضا قائم کر رکھی تھی۔ انہوں نے کئی مسلمان عورتوں کے سروں سے حجاب نوچ پھینکے۔ نصف شب کے قریب انہوں نے چار افراد پر مشتمل ایک مسلمان خاندان کو اس وقت زبردستی ان کی نشستوں سے اٹھا کر باہر دھکیل دیا' جب انہوں نے رام کے حق میں (اپنے عقیدے کے خلاف) نعرے لگانے سے انکار کر دیا۔ رپورٹر کے مطابق ان ہندو مسافروں نے راستے میں بار بار ٹرین میں ہنگامہ آرائی کی۔ کئی سٹیشنوں پر اشیائے خوردونوش بیچنے والوں سے چیزیں زبردستی چھین کر استعمال کیں۔ بار بار گاڑی بھی رکوائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹرین چھ سات گھنٹے لیٹ گودھرا پہنچی۔ معمولاً اسے نصف شب کے قریب اس سٹیشن پر پہنچنا تھا لیکن یہ صبح سات بج کر ۴۳ منٹ پر گودھرا رکی۔ ''واشنگٹن پوسٹ'' کے ہندو نامہ نگاروں کے مطابق گودھرا ریلوے سٹیشن پر چائے وغیرہ فروخت کرنے والے ہندو اور مسلمان کھوکھے والوں کو پچھلے سٹیشنوں سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ کارسیوک چائے وغیرہ تو پیتے ہیں لیکن ادائیگی نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے عزم کیا ہوا تھا کہ وہ ان اوباشوں کو مفت خوری نہیں کرنے دیں گے۔ چنانچہ جب وہ چائے پینے کے بعد واقعی ادائیگی کے بغیر گاڑی میں سوار ہو گئے اور گاڑی روانہ ہوگئی تو چند مسلمان چھلانگ لگا کر گاڑی میں سوار ہو گئے اور ایمرجنسی زنجیر کھینچ کر گاڑی کو روک دیا۔ گاڑی سٹیشن سے قریب نصف میل دور جا کر ایسی جگہ رکی جس کے آس پاس مسلمانوں کی غالب اکثریت آباد تھی۔ یہاں گاڑی میں سفر کرنے والے شدت پسندوں اور گاڑی کے اندر اور باہر موجود مسلمانوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ گودھرا کے (ہندو) پولیس اور ریلوے افسروں نے واشنگٹن پوسٹ کے نمائندوں کو بتایا ہے کہ اس دوران دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے گئے'' لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ پتھر پھینکنے کا آغاز کس طرف سے ہوا''۔ گودھرا کے ڈپٹی پولیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر بی کے ناناوتی نے امریکی اخبار کو بتایا کہ انہیں وزیر اعلیٰ مودی کی رائے سے اتفاق نہیں کہ مسلمانوں نے آنے والی گاڑی پر حملہ کرنے کا کوئی منصوبہ پہلے سے بنا رکھا تھا۔ انہوں نے دوٹوک لفظوں میں کہا کہ یہ واقعہ اچانک اور وقتی اشتعال کے تحت ہوا۔ عینی شاہدین کا بیان ہے کہ گاڑی کے ڈبہ نمبر پانچ اور چھ کے درمیان میں دری یا قالین کا ایک ٹکڑا بچھا ہوا تھا جس پر کسی نے مٹی کا تیل گرا کر اسے آگ لگا دی۔ چند ہی لمحے بعد پانچ نمبر ڈبے کے دوسرے سرے پر آگ بھڑک اٹھی۔ پولیس آفیسر ناناوتی کا کہنا ہے کہ یہ دوسری آگ جو پھیل گئی' ہوسکتا ہے کہ ہندوؤں کی اپنی جوابی کارروائی کے نتیجے میں لگی ہو۔ ان کے ڈبے میں بڑی مقدار میں مٹی کا تیل اور کھانا پکانے کی گیس موجود تھی جس نے فوراً آگ پکڑ لی اور چونکہ پانچ اور چھ نمبر ڈبوں میں صرف ہندو انتہا پسند سفر کر رہے تھے اس لئے وہی آگ کی زد میں آئے۔ ان دو ڈبوں میں ایک بھی مسلمان سفر نہ کر رہا تھا۔ جہاں گاڑی زنجیر کھینچنے کی وجہ سے رکی' اس کے باہر مسلمان ضرور موجود تھے لیکن اگر گاڑی اتفاقاً وہاں نہ رکتی تو ان کے وہاں جمع ہونے کا کوئی قرینہ نہ ہوتا۔ یہ ہے واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق واقعات کا تسلسل جسے ہندوستان کی پروپیگنڈا مشینری خاص طور سے گجرات کے وزیر اعلیٰ کے یکطرفہ بیانات نے ''مسلمانوں کی سازش کے تحت ہندوؤں کے قتل عام'' کا رنگ دے دیا ہے۔

رام مندر کے سوال پر تاحال نئی دہلی میں کوئی تصفیہ نہیں ہو پایا۔ مختلف تجاویز زیر غور ہیں۔ وشوا ہندو پریشد کے لیڈروں نے دو روز پہلے مندر کی تعمیر مشروط طور پر ملتوی کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی لیکن اب وہ اس سے بھی منحرف ہو گئے ہیں۔ حکومت نے الہٰ آباد ہائی کورٹ سے کہا ہے کہ مقدمے کی سماعت روزانہ کی بنیاد پر کی جائے لیکن پریشد کے لیڈروں کا کہنا ہے کہ وہ عدالت کے فیصلے کے پابند نہیں ہوں گے۔ یوں معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھتا جا رہا ہے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

اسلام میں خواتین کے حقوق

خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے ممتاز دینی سکالروں کی روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والی خصوصی تحریر

عالم اسلام کے چھ ممتاز علماء شیخ محمد الغزالی، ڈاکٹر محمد عمارہ، استاد فہمی ہویدی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر محمد سلیم العوا اور استاد عبدالحلیم ابوشقہ نے دنیا کی خواتین کے نام ایک پیغام میں اسلام کی فطری تعلیمات کو شفاف اور مؤثر انداز سے پیش کیا۔ ذیل میں ان کی سفارشات کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر ہم چند باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر دین فطرت' اسلام کی تعلیمات و ہدایات آپ کے سامنے پیش کریں۔ تمام مذاہب وادیان کے درمیان اسلام اس لحاظ سے منفرد ہے کہ عورت کے حق میں اٹھنے والی کسی بھی تحریک سے صدیوں پہلے اس نے عورت کو آزادی اور حقوق عطا کئے۔ ہم قدیم وجدید دونوں جاہلیتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے جو جاہلیت پائی جاتی تھی وہ مسلمان معاشروں میں اس وقت پھر رواج پا گئی جب مسلمان دین حق کی تعلیمات سے دور ہو گئے اور صرف عورت ہی نہیں بلکہ مرد بھی متاثر ہوئے۔ دوسری وہ جدید جاہلیت ہے جو آج مسلم معاشروں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عورت کو آزادی دینے والی ہے حالانکہ درحقیقت وہ عورت سے اس کا اصل مقام و مرتبہ چھین کر اسے انسانیت کے درجہ سے بھی گرا دینے والی ہے۔

مساوات

اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان حقیقی مساوات قائم کی ہے سب سے پہلی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں یاایھا الناس (اے لوگو!) یا بنی آدم (اے اولاد آدم!) اور یاایھا الذین امنوا (اے ایمان والو!) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت دونوں قرآن کے یکساں مخاطب ہیں۔ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو پیدائش کے لحاظ سے یکساں قرار دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔" اسی طرح ذمہ داری کے لحاظ سے دونوں کو مساوی رکھا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت کا بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔ "شیطان نے ان دونوں کو بہکایا اور ان دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا اور پھر ان دونوں نے اللہ کے حضور توبہ کی۔" پھر قرآن میں بالکل واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا' خواہ مرد ہو یا عورت' وہ صلہ محروم نہ رہے گا۔

اللہ کے قانون کی پابندی کرنے میں بھی مرد اور عورت کو بالکل برابر رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلہ کے بعد اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کرے۔

معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری میں بھی مرد اور عورت یکساں شریک ہیں۔ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔

ملکیت کا حق بھی دونوں کے برابر ہے۔ مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے۔ وراثت میں بھی دونوں شریک ہیں لیکن صحیح انصاف کی خاطر ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے مرد اور عورت کے لئے مقدار الگ الگ مقرر کی گئی ہے۔

آمدنی کے لئے جدوجہد کرنے اور کوئی پیشہ اختیار کرنے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عورتیں کھیتی باڑی میں حصہ لیتی تھیں' جانور بھی چراتی تھیں' سلائی اور دوسرے پیشوں کے ذریعہ بھی کمائی کرتی تھیں اور بیماروں اور زخمیوں کا علاج بھی کرتی تھیں۔ اسلام نے علم کے حصول کا حق دینے میں بھی مرد اور عورت کے درمیان مساوات رکھی ہے بلکہ اسے دونوں کے لئے واجب قرار دیا ہے۔

معاشرتی قدر و منزلت اور عزت کی حفاظت میں بھی مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں۔ اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ قانون جرم و سزا میں بھی اسلام مرد اور عورت کو کامل مساوات عطا کرتا ہے۔

زندگی کا ساتھی منتخب کرنے میں بھی مرد کی طرح عورت کو پسند اور ناپسند کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ گھر کی ذمہ داری اور اس کے بارے میں باز پرس میں بھی دونوں برابر کے شریک ہیں۔ مرد بھی اپنے گھر کا نگران ہے اور عورت بھی۔ نبی کریم ﷺ گھر کے کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ گھر کے معاملات باہمی مشورے سے چلائے جانا چاہئیں۔

اولاد کی زندگی کی حفاظت اور اس کی تربیت میں بھی لڑکا اور لڑکی دونوں یکساں شریک ہیں بلکہ لڑکی کے بارے میں زیادہ شدت سے حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا حرام قرار دیا ہے۔" عبادات میں اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اور مجالس میں شرکت کو بھی اسلام مرد عورت دونوں کا حق قرار دیتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ اس مساوات کی جو اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان قائم کی ہے اور نبی کریمؐ نے اس مساوات کو عملی جامہ پہنا کر بھی دکھا دیا ہے۔

مساوات اور مشابہت میں فرق

لیکن اسلام کی نظر میں مساوات کا مطلب بالکل ایک جیسا ہونا نہیں ہے۔ دونوں جنسوں کو بالکل یکساں اور باہم مماثل قرار دینا تو صریح ظلم' ناانصافی اور عدم مساوات ہے۔ عورت بچہ کا بوجھ اٹھاتی ہے' پھر اسے دودھ پلاتی ہے۔ کیا مرد یہ دونوں کام کرتا ہے؟ پھر دونوں یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر ہم مرد اور عورت پر کام کا برابر برابر بوجھ ڈال دیں تو کیا یہ عورت کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی؟ یہ اس سے دوہرا کام لینا ہوگا اور اگر یہ دونوں کام ایک ساتھ نہ کرنا چاہے یا کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو تو کیا اس طرح وہ اس حق سے محروم نہیں ہو جاتی جو مرد کو حاصل ہے؟

عورت اور مرد میں مکمل برابری کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نئی نسلوں کی تربیت کی منفرد ذمہ داری عورت کے سپرد کی ہے۔ مرد اس میں عورت کی برابری نہیں کر سکتا۔ یوں عورت مرد سے اس طرح ممتاز ہے کہ وہ اس کے ساتھ حال کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی معمار بھی ہے۔

اسی ذمہ داری کی وجہ سے اسلام نے عورت کے اوپر گھر سے باہر کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہر سے کما کر لائے اور بیوی پر خرچ کرے

خواہ وہ اس کی بیوی یا ماں ہو' بیٹی ہو یا بہن ہو۔ مرد کی یہ ذمہ داری اس صورت میں بھی باقی رہتی ہے کہ عورت خود کمانے والی ہو۔ یہی وہ حقیقی مساوات ہے جو اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان قائم کی ہے خصوصاً وہ آزادی جو شادی کے بغیر ایک لڑکے اور لڑکی کو تعلق قائم کرنے کی دی جارہی ہے۔ اس تعلق کی قیمت صرف لڑکی کو ادا کرنا پڑتی ہے وہ حاملہ ہوتی ہے اور اس کے بعد پیش آمدہ نتائج اور مسائل کا تنہا سامنا کرتی ہے جبکہ لڑکا ہر ذمہ داری سے آزاد ہوتا ہے۔ آج اس کو مساوات اور انصاف کہا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ

اسلام ایک ایسے معاشرے کی صورت گری کرتا ہے جس میں مرد اور عورت دو الگ الگ جنس ہیں۔ ان کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں اور وہ باہمی تعاون و ہمدردی اور الفت ومحبت کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ ''ایک ایسا'' معاشرہ نہیں ہے جس میں مرد عورت بن کر یا عورت مرد بن کر رہے' کیونکہ یہ غیر انسانی اور غیر فطری صورت ہے۔ اسی طرح اسلام فرد اور فرد کے درمیان اور فراد اور معاشرے کے درمیان حقوق کا صحیح توازن قائم کرتا ہے۔ وہ کسی کو بھی ایسا حق نہیں دیتا جو کسی دوسرے کے حق کی قیمت پر ملے اور مرد اور عورت کے درمیان اس اصول کا بدرجہ اولیٰ انطباق ہوتا ہے۔ قرآن میں میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا گیا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت ومودت اور رحم وشفقت کا تعلق قائم کرنا مطلوب بیان کیا گیا ہے اور یہ تعلق صرف میاں بیوی تک محدود نہیں بلکہ خاندان کے اور معاشرے کے تمام افراد کے درمیان اسی محبت ومودت اور رحم وشفقت کا تعلق قائم کرنا مطلوب بیان کیا گیا ہے اور یہ تعلق صرف میاں بیوی تک محدود نہیں بلکہ خاندان کے اور معاشرے کے تمام افراد کے درمیان اسی طرح محبت وشفقت کا تعلق ہونا چاہئے۔ اسلام کی یہ تعلیم آج کے زخمی معاشرے کے لئے مرہم کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کے معاشرے میں فرد کو تنہا اور بے سہارا ہونے کا احساس ہے' بوڑھے نوجوانوں کی طرف سے لاپرواہی کا شکار ہیں' دو نسلوں کے درمیان جنریشن گیپ کا مسئلہ ہے' خودکشی اور تشدد کی وارداتوں کی کثرت ہے' کم عمروں میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہے' اور اسی طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو افراد کے درمیان محبت والفت کی کمی کا نتیجہ ہیں۔

اسلام کی نظر میں ایک خاندان کا مقام بہت بلند و محترم ہے کیونکہ وہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ خاندان میاں اور بیوی کے ملنے سے بنتا ہے جن کے درمیان شرعی بندھن ہوتا ہے اور سکینت اور مہر والفت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے پھر اور بہت سے مرد اور عورتیں ہوتی ہیں جن سے رشتہ داری کا تعلق ہوتا ہے۔ ان کے کام باہمی مشورے سے چلتے ہیں اور یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ عورت اپنے گھر کی داعیہ (نگران) ہوتی ہے۔ اپنے خاندان کے افراد کی جسمانی اور روحانی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اس طرح معاشرے میں رہتے ہوئے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ وہ اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر مرد کی طرح چلتی پھرتی ہے' اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتی ہے اور اس دنیا کی تعمیر اور معاشرے کی ترقی میں مرد کے ساتھ برابر کا حصہ لیتی ہے۔

نوجوانوں کو برائیوں سے بچانے کے اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے خاندان سے حاصل ہونے والی محبت اور سکون ضروری ہے۔ اسی لئے اسلام نے یہ تاکید کی ہے کہ جو استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے۔ صحیح وقت پر نکاح کے بندھن میں بندھ جانا نوجوانوں کو بے حیائی اور فحاشی سے دور رکھتا ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج کے ترقی یافتہ معاشروں میں کم عمری میں جنسی تعلقات قائم کرنے کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی لیکن اگر یہی تعلقات وہی افراد شرعی پابندی یعنی نکاح کے بعد قائم کریں تو کم عمری کی شادی پر اعتراض شروع ہوجاتے ہیں۔ جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چلے' اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوسکتا ہے۔ اس موقعہ پر خواتین کی عالمی کانفرنس کے حوالے سے چند امور واضح کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارا موقف

اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مرد اور عورت کی مساوات کے لئے چلائی جانے والی ہر تحریک اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے لیکن دونوں کو بالکل یکساں قرار دے کر معاشرہ کو ایک جنسی معاشرہ بنانا اسلام کی نظر میں کبھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ شرعی حدود کے اندر مرد اور عورت تعلقات قائم کرکے خاندان بنائیں' یہ اسلام کی دعوت ہے لیکن اس سے ہٹ کر تعلقات کے قیام کے خلاف اسلام ہے۔ دین اور اخلاق کی حدود وقیود کو توڑتے ہوئے فطرت انسانی کے خلاف تعلقات قائم کرنے کا حق صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اپنی بری خواہشات کی بے لگام تکمیل چاہتے ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے کروڑہا انسانوں کو' جن کا نصف شریف اور پاک دامن عورتیں ہیں مٹھی بھر ترقی یافتہ ممالک کی ان کوششوں پر خاموش نہیں رہنا چاہئے جو وہ اپنی اقدار کو دنیا بھر پر مسلط کرنے کے لئے کررہے ہیں۔ سکون ومحبت کا عدم وجود' خاندانی زندگی کا انتشار اور خودکشی اور جرائم کی کثرت جو ان قوموں میں موجود ہے وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی تمام قومیں اس کا شکار ہوجائیں۔ یہ دراصل عورت کو اس کے اصل مقام اور عظیم مرتبہ سے گرانے کی کوشش ہے۔ یہ ایک جدید قسم کی آمریت ہے جو ایک چھوٹی سی اقلیت دنیا کی کثیر آبادی پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ ہر جگہ کی ہر عورت کو اس کا دیا ہوا طرز حیات اپنا لے اور خواہش اور طاقت نہ ہونے کے باوجود گھر سے باہر کے کاموں کا بوجھ بھی اٹھائے۔ دنیا بھر کی عورتوں کو اس نئے طاغوت کا مقابلہ کرنا ہے اور انسانیت کے شرف وعزت کو مٹانے والی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔

ہم اللہ کو ماننے والی تمام طاقتوں کو معاشرے کے انہدام کے خلاف جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر دین میں جو الٰہی اصول موجود ہیں ان کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوجانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں دونوں کو اس تحریک کے اچھے پہلوؤں کی حمایت اور خراب پہلوؤں کی مخالفت کرنا چاہئے۔ اس طرح وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے اور بلند اخلاقی اصول اور شریفانہ انسانی جذبات کے زیر سایہ ایک صالح معاشرے کے قیام میں مددگار ہوں گے اور اس طرح حقیر مادی اور شہوانی خواہشات کے زیر سایہ پرورش پانے والے انسان کو اس زمین کی خلافت کا حقدار بنانے میں تعاون کریں گے۔

(بشکریہ: روزنامہ ''جنگ'' 8 مارچ 2002ء)

بقیہ: افکار معاصر

اور بی جے پی کی مرکزی حکومت کوئی مضبوط فیصلہ کرنے میں ناکام ہے۔ پورے ہندوستان میں مطالبہ کیا جارہا ہے کہ گجرات کی حکومت کو برطرف کیا جائے اور ریاست کو فوج کے حوالے کیا جائے۔ واجپائی حکومت ''نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن'' کی صورت حال سے دوچار ہے۔ بعض ہندوستانی مبصرین نے کہا ہے کہ واجپائی کی حیثیت اس بزرگ یعنی بوڑھی گائے کی طرح ہوگئی ہے جس کی موت کے بعد کوئی ہندو بھی اسے ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا۔ یہ تبصرہ ان کی بے بسی کی عکاسی کرتا ہے۔ اصل میں پچھلے ۱۰ سال کے واقعات نے بی جے پی کے سیاسی اور مذہبی' اقتصادی اور معاشرتی فلسفہ کی کمزوریاں اس طرح واضح کردی ہیں کہ اس کے بارے میں اب ہندوستانی دانشور طبقہ بھی کسی خوش فہمی کا اظہار ممکن نہیں پارہا۔ بی جے پی اور زیادہ شدت پسندی کا راستہ اختیار کرتی ہے تو مرتی ہے' نہیں کرتی تو اس کی صفوں میں وسیع بغاوت ہوتی ہے۔ یہ ہے سنگین مخمصہ جس سے مسٹر واجپائی دوچار ہیں۔ کیا وہ اس بحران سے پارٹی اور حکومت کو نکال لے جائیں گے؟ یہ ہے ملین ڈالر سوال جس کے جواب کا انتظار کیا جارہا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'' 8 مارچ 2002ء)

برقعہ' بیوٹی اور ماڈریٹ مشرف

رعنا ہاشم خان

قیادت ایک ایسا منصب ہے جس کے لئے اچھی سیرت ، دور اندیشی اور اعتدال طبع کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ حسب روایت ہماری موجودہ قیادت بھی ان صفات سے نہ صرف قطعہ محروم ہے بلکہ چار اور چار دیواری کے تحفظ کو بھی سیکولرزم کے گڑھے میں گرا دینے پر مصر ہے۔ موجودہ قیادت میں متانت' سنجیدگی اور دور اندیشی نام کو نہیں۔ جنرل پرویز مشرف جب بھی مشرف بہ بش ہوتے ہیں' امریکہ کے سفلی جذبات کی تسکین کے لئے ایسے بیانات داغتے ہیں جو نہ صرف اسلامی روایات بلکہ فطرت کے اصولوں کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ اپنے حالیہ دورۂ امریکہ میں واشنگٹن نیشنل پریس کلب میں دنیا بھر کے معززین کے سامنے جنرل مشرف نے پاکستانی خواتین کی جس طرح توہین کی ہے وہ تیسرے درجے کے گلوکار ابرار الحق کے گیت ''نچ پنجابن نچ'' سے کسی طور کم نہیں ہے' جس کے خلاف خواتین مظاہرہ بھی کر چکی ہیں۔

جنرل مشرف کے الفاظ ملاحظہ کیجئے: ''میں مذہبی نہیں بلکہ ایک ماڈریٹ مسلمان ہوں' آپ کو اس وقت پاکستان کی خواتین ہر شعبے میں متحرک دکھائی دیں گی' وہ سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں' پاکستانی خواتین نے برقعہ نہیں اوڑھ رکھا اور وہ مجھ سے مصافحہ کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتیں''۔

ایک ماڈریٹ مسلمان کیا ہوتا ہے؟ غالباً وہ جو سال میں صرف عیدین یا کبھی کبھار نمازِ جمعہ کی ادائیگی کر لیتا ہے اور جس کے دل و دماغ پر سیکولرزم کا راج ہوتا ہے۔ ایسا شخص فوجی ہوتے ہوئے بھی مجاہدانہ صفات سے یکسر محروم ہوتا ہے اور یہ کہتے نہیں تھکتا کہ غیر مسلم اسلام کا دشمن نہیں ہوسکتا اور یہ کبھی الف سے اللہ نہیں کہتا بلکہ الف سے امریکہ کہتا ہے۔ ماڈریٹ اسلام اور ماڈریٹ مسلم ممالک ترکی' البانیہ اور انڈونیشیا کی گردان پرویز مشرف تب سے کر رہے ہیں جب یہ یہودی تنظیم فری میسن کے ایجنٹ و قائد کمال اتاترک کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے ہوئے برسرِ اقتدار آئے تھے اور قومی اخبارات میں بازوؤں میں دو کتے اُٹھائے ان کے لبرل آؤٹ لک کی عکاس تصویر چھپی تھی۔ میڈیا کی آزادی' وومن رائٹس اور این جی اوز کو کھلی چھوٹ دینا ان کا دل پسند کام ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ پاکستانی خواتین سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں' پاکستانی خواتین نے برقعہ نہیں اوڑھ رکھا اور وہ مجھ سے مصافحہ کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتیں دراصل امریکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے ہر اس حربے اور ہتھکنڈے کا ایک حصہ ہے جس کے تحت پاکستان میں اسلام کو وہی شکل دینے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے جو عیسائیت کی مغربی معاشرے میں ہے۔ سیاست میں حصہ لینے والی بے نظیر کی طرح چند خواتین جو اقتدار حاصل کرنے کے لئے کوئی درگاہ نہیں چھوڑتیں جہاں حاضری نہ دیں، مذہبی طبقے کو جھانسہ دینے کے لئے کبھی ہاتھ میں تسبیح لے لیتی ہیں اور کبھی سفید دوپٹے کا پلو سر پہ ٹکا لیتی ہیں' یا پھر عاصمہ جہانگیر جیسی ''سوشل ورکرز'' جو قادیانی مردوں سے نکاح کر لیتی ہیں اور ''دستک'' جیسے بدنامِ زمانہ ادارے چلاتی ہیں' تمام پاکستانی خواتین کی شناخت کے طور پر نہیں متعارف کرائی جاسکتیں۔ پاکستان اور بیرونِ پاکستان مقیم چند فیصدی ایسی خواتین جو اپنی غیر اسلامی سوچ پر جنرل مشرف کی طرح ماڈریٹ ہونے کا پردہ ڈالے رکھتی ہیں اور بجائے اللہ کے امریکی بیساکھیوں کے سہارے چلنے کو ترجیح دیتی ہیں اور جنرل مشرف کے ایسے بیانات پر خوشی سے پھولے نہیں سماتیں' کیا یہ بتانا پسند فرمائیں گی کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو آج جس آزادی اور سہولت سے یہ پاکستان میں رہ رہی ہیں اور بیرونِ ملک جس طرح فخر سے یہ اپنا تعارف بطور ایک آزاد ملک کی شہری کے کراتی ہیں اس کا تصور بھی کر سکتی تھیں؟

ہم کب تک اس وطن اور اس آزادی کی ناقدری کرتے رہیں گے اور کب تک بھارت میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر بے نیازی سے کندھے اُچکا کر اللہ اور اس کے دین کے ماننے والوں کے لئے حاصل کردہ اس سرزمین پر مسلسل اس پروردگار کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہیں گے جس نے یہ فرما کر کہ ''خواتین کے حقوق مردوں پر ویسے ہی ہیں جیسے مردوں کے خواتین پر'' ہمیشہ کے لئے آزادئ نسواں کا جھگڑا ہی نمٹا دیا۔ ''آزادئ نسواں'' ایک گمراہ کن اور کھوکھلا نعرہ ہے جو مغرب کی باغی خواتین نے لگا کر انسانی تہذیب کو منصب خواتین کے بارے میں راہِ اعتدال سے مکمل طور پر ہٹا دیا ہے۔ آج اس نعرے کی بدولت خاتونِ مغرب جس بے جا آزادی کا شکار ہو چکی ہے پاکستان قطعاً اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ آج وطنِ عزیز کی ماڈریٹ قیادتوں کے دستِ شفقت تلے آزادئ نسواں کے نام پر یہ سانحہ ہوا ہے کہ بے حیائی اور ظاہری دلکشی کو آزادئ نسواں کا جزو لاینفک سمجھ لیا گیا ہے جبکہ درحقیقت جسمانی نمائش کرنے والی خواتین زبانِ حال سے یہ اعلان کر رہی ہوتی ہیں کہ ان کی شخصیت میں ظاہری حسن کے سوا کوئی خوبی نہیں۔

ماڈریٹ مشرف کبھی داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور کبھی برقعہ ان کی تضحیک کی زد میں آتا ہے۔ برقعہ نہ صرف ایک مسلمان خاتون کے ستر کا لازمی حصہ ہے بلکہ وہ طریقہ بھی ہے جو اس کو پبلک میں اور نامحرموں کی موجودگی میں اعتماد اور عزت کے ساتھ جینا سکھاتا ہے۔ امریکہ میں مقیم ایک پاکستانی طالبہ کا کہنا ہے کہ اگر میں مسلمان نہ ہوتی تو یقیناً پردہ نہیں کر رہی ہوتی اور آج ایڈز کا شکار ہو چکی ہوتی۔ اسی طرح پاکستان سے آئے ہوئے ایک نوجوان نے مقامی پاکستانی جریدے میں لکھے گئے اپنے ایک مراسلے میں انتہائی دکھ کا اظہار آج کی پاکستانی معاشرت کے غلط سمت میں محوِ پرواز ہونے پر یوں کیا کہ آج جس طرح پاکستانی خواتین آزادی اور فیشن کے نام پر بازاروں' شادیوں اور پارٹیوں میں بے حیائی کے چلتے پھرتے شاہکار نظر آتی ہیں ایسے میں سورۂ نور کی آیات میری رہنمائی کرتی ہیں اور نظریں جھکائے رکھنے میں میری مددگار بنتی ہیں۔

برقعہ درحقیقت بیوٹی ہے' ایک ایسی بیوٹی جو ایک خاتون کی فزیکل بیوٹی کے بجائے اس کی باطنی اور ذہنی خوبصورتی کی عکاسی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان خواتین کو یہ خوبصورتی عطا فرمائے۔

بقیہ : منبر و محراب

پھر بھی وہ شخص قدم نہ بڑھائے تو ایسا شخص بھی نفاق کی زد میں ہے۔ ہاں اگر اختلاف ہے کہ نہیں یہ طریق کار صحیح نہیں ہے یا یہ لوگ صحیح نہیں' ان کی نیتوں پر مجھے پورا اعتماد نہیں تو یہ ایک علیحدہ بات ہو جائے گی۔ لیکن اگر شرائط پوری ہو گئیں تو جدوجہد میں شریک ہونا فرض ہے۔ اگر شعور حاصل ہو جانے کے بعد بھی شامل نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اس جدوجہد سے کنی کترا رہا ہے۔ اللہ ہمیں ایمان کے تقاضے پورے کرنے اور اس کے دین کے لئے اپنا جان اور مال لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔

انتقال پُر ملال

تنظیم اسلامی فیصل آباد اور انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے اہم کارکن جناب میاں اسلم ۱۲ مارچ کی رات حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔ **اللھم اغفرلہ و ارحمہ و ادخلہ فی رحمتک و حاسبہ حسابا یسیرا!**

وی آئی پی کلچر یا اِکرامِ مسلم

محمد سمیع، کراچی

تبلیغی جماعت کے چھ نکات میں ایک نکتہ اکرام المسلمین کا ہے یعنی مسلمانوں کا اکرام کیا جائے۔ ایک اچھے مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ جس کو وہ اپنی دعوت پیش کر رہا ہو اس کا اکرام ملحوظ رکھے۔ تاہم اکرام کی نوعیت یکساں نہیں ہوسکتی بلکہ اس کی نوعیت کو متعین کرنے کے لئے ہمیں مدعو کی شخصیت' اس کے خاندانی پس منظر' اس کی تعلیمی صلاحیت اور معاشرے میں اس کے مقام کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کا معاشرے میں اپنا ایک مقام ہوتا ہے اور ایک ناخواندہ یا واجبی تعلیم رکھنے والے کا اپنا۔ دونوں سے یکساں طرز عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح بعض اہل ثروت ہوتے ہیں جن سے ڈیل کرتے وقت بہت ساری باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے جبکہ ایک عام فرد کو ڈیل کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ کسی جماعت میں مختلف طبقات کے لوگ ہوتے ہیں جن کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں' صلاحیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور طور طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ نظم کے ذمہ دار حضرات کو ہر ایک کے ساتھ ڈیلنگ اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق کرنا پڑتا ہے۔ طرز عمل میں کسی تفریق کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک کا زیادہ اکرام کیا جا رہا ہے اور دوسرے کا کم۔ اگر یہ بات ملحوظ خاطر نہ رہے تو اس سے بسا اوقات غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ میں اس کی یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ عیدالفطر کی تعطیلات کے دوران دفاع پاکستان و افغانستان کونسل کی سندھ کی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ اس کی اطلاع ظاہر ہے کہ امیر حلقہ کو ملی۔ انہوں نے تنظیم کے دوسرے دو افراد کو جو اس مجلس کے رکن تھے' اطلاع دیئے بغیر اجلاس میں شرکت کر لی۔ ان دو افراد میں راقم بھی شامل تھا۔ تعطیلات کے بعد جب دفتر کھلا تو انہوں نے اسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ بعد ازاں' جب ہمارے دوسرے ساتھی تشریف لائے تو امیر حلقہ نے بڑی وضاحت سے انہیں بتایا کہ چونکہ اس اجلاس کی اطلاع عید کی تعطیلات کے دوران ملی تھی اور عید کے فوراً بعد ہی اجلاس تھا' لہٰذا میں نے آپ کو زحمت دینا مناسب نہ سمجھا اس خیال سے کہ تعطیلات کے فوراً بعد کاروباری مصروفیات زیادہ ہوتی ہیں۔ اب اگر راقم یہ محسوس کرے کہ امیر حلقہ نے تو اسے محض اطلاع ہی پر ٹرخا دیا اور دوسرے ساتھی سے اس لئے معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا کہ ان کا شمار وی آئی پی افراد میں ہوتا ہے (اور آپ سے کیا چھپانا اصل بات یہ ہے کہ ایسا محسوس ہوا بھی کیونکہ شیطان تو ہر دم انسان کی تاک میں ہوتا ہے۔ اس نے پھونک ماری کہ دیکھو! ان کی تو کاروباری مصروفیات تھیں تم کون سے بڑے مصروف تھے کہ تمہیں فون پر ہی اس کی اطلاع دے دی جاتی) تو کیا راقم کی یہ سوچ درست تھی۔ اسی طرح کے معمولی واقعات ہوتے ہیں جن کی بناء پر غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں' ہمارے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے تنظیم اسلامی کا ہدف معاشرے کی ذہین اقلیت کے افراد ہیں۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسے لوگ صرف اہل ثروت طبقے میں ہی پائے جاتے ہیں' یہ تاثر درست نہیں۔ آخر گدڑی کے لعل کا محاورہ اردو زبان میں کیوں ایجاد ہوا؟ ذہانت اہل ثروت ہی کی میراث نہیں۔ ہماری تنظیم میں بہت سے گدڑی کے لعل موجود ہیں اور بہت نمایاں مناصب پر ہیں اور ان کا تعلق اہل ثروت طبقے سے نہیں۔ لیکن چونکہ عمومی تاثر یہی ہے اور تنظیم کے ذمہ دار حضرات ذہین اقلیت کے افراد کا خصوصی اکرام کرنے پر مجبور ہیں لہٰذا ہمارے یہاں اکثر و بیشتر وی آئی پی کلچر کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور حیرت یہ ہے کہ بعض اوقات یہ بات کافی سمجھ دار لوگوں کی جانب سے آتی ہے۔ اول تو ایسا ہے نہیں لیکن اگر اس مفروضے کو درست بھی مان لیا جائے تو ہمیں یہ جائزہ لینا چاہئے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ دیکھئے! ایک ایسے شخص کے لئے جس کو عام لوگوں کے مقابلے میں دنیا کی آسائشیں زیادہ میسر ہوں' اقامت دین کی جدوجہد میں لگ جانا ہی بڑی بات ہے۔ کیونکہ جو شخص جب دنیا میں جتنا زیادہ اسیر ہوتا ہے' دین سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ دنیا کی لذات و شہوات سے پیچھا چھڑانا اس کے لئے عام آدمی کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ایک بار اس قافلہ میں شامل ہونے کے بعد جس کو اس مشن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے' اسے اپنی زندگی کے رخ کو تبدیل کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ دین کے تقاضے بار بار سامنے آئیں لیکن پھر بھی لوگ اپنی زندگی کی روش کو تبدیل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ راقم تو صرف کراچی کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہے۔ الحمدللہ ہمارے ہاں اس طبقے سے جو لوگ آئے ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہیں اپنے کاروبار کو مختصر کرنا پڑا' ایسے بھی ہیں جو تنظیم کی ذمہ داری کے مناصب پر فائز ہیں اور اپنی ان ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کر رہے ہیں اور یہ سب ان کی گوناگوں مصروفیات کے علی الرغم ہو رہا ہے جو ان کی اپنی دفتری ذمہ داریوں کے تقاضے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کی کارکردگی بظاہر نمایاں نہیں لیکن وہ بہرحال اس قافلے کے ساتھ رواں دواں ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اجتماعات کے لئے باقاعدگی کے ساتھ وقت نہیں نکال سکتے تو مالی انفاق میں پیش پیش ہیں۔ جو ساتھی باقاعدگی کے ساتھ اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں اور تنظیم کی دیگر سرگرمیوں میں بھی پیش پیش ہیں' ان کے حلق سے یہ بات نہیں اترتی کہ ایک رفیق تنظیمی سرگرمیوں میں کم کم نظر آتا ہے لیکن اس کی آؤ بھگت میں اس لئے کمی نہیں ہو رہی ہے کہ وہ مالی انفاق میں پیش پیش ہے۔ آئیڈیل بات تو یہی ہے کہ تنظیم کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے تاہم بات یہ ہے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہی پیش کر سکتا ہے۔ کسی کے پاس وقت زیادہ ہے تو وہ اپنا وقت پیش کر رہا ہے اور کسی کے پاس مال زیادہ ہے تو وہ اپنا سرمایہ پیش کر رہا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم اپنا وقت یا مال فضول کاموں میں صرف نہیں کر رہے ہیں۔

آیئے اب غور کرتے ہیں کہ ہم اس قسم کی شکایتوں سے کس طرح بچ سکتے ہیں! اول تو ہمیں یہ کام اللہ کی رضا کی خاطر کرنا ہے۔ ہمیں کسی صلہ و ستائش کی پرواہ ہی نہیں ہونی چاہئے۔ دوسری بات یہ کہ ہم دروس قرآن کے دوران یہ کہتے اور سنتے ہیں کہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ وہ جسے چاہے عزت سے نوازتا ہے۔ لیکن ہم عزت کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں یا یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمیں لازماً یہ دولت ملنی چاہئے۔ ایسی خواہش رکھنا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن جب راقم اپنے گریبان میں جھانکتا ہے تو اسے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہیوں کا احساس ہوتا ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ ہماری تمام تر کوتاہیوں کے باوجود اگر اس نے ہمیں اس اعلیٰ مشن سے لگا رکھا ہے تو یہ اس باری تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے۔ یہ کیا کم ہے کہ وہ ہماری کوتاہیوں پر ہماری گرفت نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس معاملہ کیا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر آپ کی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عزت سے نوازے تو اپنے فرض کی ادائیگی میں دل و جان سے لگ جایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو یاد کیجئے کہ ہمیں عزت اسلام سے ہی ملی ہے۔ اگر آپ ایسا کرتے رہیں گے تو آپ کو اس کی فرصت ہی نہ ہوگی کہ ان فضول سوچوں میں پڑیں کہ فلاں کی بڑی عزت ہو رہی ہے۔ اسے وی آئی پی کا درجہ حاصل ہے جبکہ مجھے اس سے محروم رکھا جاتا ہے۔

امریکی جنگ کی اصل حقیقت؟

عصر حاضر میں طالبان کے ہاتھوں افغانستان میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ کی جنگ کو اہل نظر اسلام اور کفر کی جنگ اور اسلامی اور مغربی تہذیبوں کا ٹکراؤ قرار دیتے رہے۔ مگر اس کے باوجود اکثر عقل کے اندھے اور مغربی تہذیب کے دلدادہ امریکہ کی ہمنوائی میں اسے دہشت گردی کے خلاف جنگ (war against terrorism) قرار دیتے رہے۔

حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ افغانستان کی غریب ترین اور بے دست و پا حکومت طالبان پر امریکہ کی جدید جنگی ہتھیاروں سے لیس ہو کر چڑھائی درحقیقت اسلام اور کفر کی جنگ تھی اور اس کا سب سے بڑا مظہر امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش کا اس جنگ کو صلیبی (Crusade) قرار دینا تھا۔

اس جنگ کے دوران اٹلی کے وزیراعظم نے یہ کہا کہ ''مغربی تہذیب اسلامی تہذیب سے برتر اور اعلیٰ ہے اور مغربی تہذیب نے جس طرح کمیونزم کو شکست دی ہے اس طرح اسلامی تہذیب بھی شکست سے دوچار ہوگی۔'' اٹلی کے وزیراعظم کے ان خیالات نے اس جنگ کے اسلام اور کفر کی جنگ ہونے کے تاثر کو مزید مضبوط بنا دیا اور وہ تمام شکوک دور کر دیئے جو عوام کے ذہنوں میں پائے جاتے تھے کہ یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ نہیں ہے۔

درج بالا دو مثالوں کے باوجود بھی پاکستان کے حکمرانوں اور ان کے ہمنواؤں نے یہ رٹ لگائے رکھی کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے۔ مگر رہی سہی کسر امریکہ کے اٹارنی جنرل جون ایش کرافٹ نے یہ کہہ کر پوری کر دی کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں خدا اپنے لئے آپ سے آپ کے بیٹے کی قربانی طلب کرتا ہے جبکہ عیسائیت ایک ایسا عقیدہ ہے جس کا خدا آپ کے لئے جان دینے کے واسطے اپنے بیٹے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

مغربی تہذیب کے آئمہ کے ان خیالات کے بعد بھی کوئی یہ سمجھتا ہے کہ افغان امریکہ جنگ دہشت گردی کے خلاف جنگ تھی تو اس کی عقل پر ماتم کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی امریکہ یاترا کے دوران ہی امریکی جوائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل رچرڈ مائیرز نے بھارت کا دورہ کیا اور دورے میں پاکستان افغانستان اور چین کی نگرانی کے لئے امریکی ریڈار سسٹم، ۲۰ اقسام کا اسلحہ بھارت کو دینے کا اعلان کیا اور بھارت کو اسرائیل سے جاسوس طیارے لینے کی اجازت بھی دے دی۔ ان طیاروں کا نام Early warning ایئر کرافٹ ہے۔ یہ جہاز فضا میں بلندی کے بعد ۵۰۰ سے ۶۰۰ کلومیٹر تک کے علاقے کو مکمل طور پر دیکھ سکتے ہیں اور اس قسم کے طیارے پاکستان اور چین کے پاس بھی موجود نہیں ہیں۔

مرزا ندیم بیگ

بھارت پر امریکہ کی ان عنایات کے بعد بھی امریکہ کی افغانستان کے خلاف جنگ کو دہشت گردی کی جنگ قرار دینا پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ افغانستان کے بعد امریکہ کا عراق، ایران، صومالیہ اور دیگر اسلامی ملکوں کو آنکھیں دکھانا اور ان کو بھی افغانستان کے حشر سے ڈرانا اس بات کی علامت ہے کہ امریکہ دنیا کے کسی خطے میں بھی اسلام اور اس کے غلبے کے لئے تحریکوں کو پنپتے نہیں دیکھ سکتا اور اس کے نزدیک شعائر اسلامی سے مزین چہرے دہشت گردی کی علامت ہیں اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے مراکز دینی مدارس دہشت گردی کے فروغ کے ادارے ہیں۔ اس صورتحال میں بھی یہ کہنا کہ امریکہ کی جنگ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے کسی بھولپن سے کم نہیں ہے۔

امریکی صدر بش نے پاکستان میں اغوا ہونے والے صحافی ڈینئل پرل کے مسئلے پر بیان دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ بیرون ملک اغوا کئے جانے والے اپنے شہریوں کی رہائی کے لئے کارروائی کرے گا اور ضرورت پڑنے پر فوجی ایکشن سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ گویا مستقبل میں کسی ناپسندیدہ اسلامی ملک میں اپنے شہری کو خود اغوا کرایا اور حملہ کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد کہہ دیا کہ ہماری جنگ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے اور اس پر نام نہاد مسلمان بھی قوال کے ہمنواؤں کے انداز میں یہی جملے الاپتے رہیں گے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف جنگ ہے۔

امریکہ طالبان اور القاعدہ کے گرفتار مسلمان جنگی قیدیوں سے جو غیر انسانی سلوک روا رکھ رہا ہے اور اس کے ضمن میں جنیوا کنونشن کی دفعات کی جو دھجیاں بکھیر رہا ہے اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ یہ غیر انسانی سلوک دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ ہے تو کہنے والا جنت احمق کا باسی تو ہو سکتا ہے کوئی ذی شعور انسان نہیں ہو سکتا۔

امریکہ جو ۵۲ ریاستوں پر مشتمل ہے ان ریاستوں میں اگر جانور کو مار دیا جائے تو مقدمہ درج ہو جاتا ہے مگر آج بھی امریکہ میں ۱۱ ستمبر کے واقعے کے الزام میں کئی باشرع بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں بند کیا ہوا ہے جبکہ ان پر الزام ثابت بھی نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد اس جنگ کو دہشت گردی کی جنگ قرار دینا بچگانہ سوچ ہی ہو سکتی ہے۔

قارئین محترم! امریکہ اب تک ۲۴۰ مرتبہ دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی فوجی سفاکیوں سے مظالم کی وہ تاریخ مرتب کر چکا ہے کہ جس کے بعد اسے دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد قرار دیا جا سکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ امریکہ اپنے مفادات کی خاطر ویت نام اور جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ظلم ڈھا چکا ہے اس کے بعد اسے اپنا دوست اور معاون سمجھنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔

امریکہ ۱۱ ستمبر کے بعد دنیا کے نقشے کو اپنے مفادات کی خاطر تبدیل کر سکتا ہے مگر اسے فلسطین، چیچنیا، کشمیر اور بوسنیا میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم نظر نہیں آتے اور ان کی مدد نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امریکہ اسلام کا کھلم کھلا دشمن ہے اور اس سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اس کے پیش نظر اپنی بے خدا کی تہذیب کو غالب کرنا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کو Politico-Socio-Economic System کے طور پر اپنے ممالک اور پھر پوری دنیا میں نافذ کریں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام مسلمان اسے مقصد حیات بنا لیں اور ان کی زندگیاں اس شعر کے مصداق ہو جائیں کہ

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

ضرورت رشتہ

ساٹھ سالہ صحت مند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ امریکی شہری کے لئے رفیق حیات کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ کے ساتھ مذہبی رجحانات رکھنے والی خاتون قابل ترجیح ہوگی۔ بیوہ یا مطلقہ معزز خاتون دو بچوں کے ساتھ بھی قابل قبول ہے۔ ذات پات کی کوئی شرط نہیں۔

رابطہ: 421 پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔

فون: 7840055

حلقہ سندھ (زیریں) کے ذمہ داران کے لئے تربیتی پروگرام

کسی بھی اسرہ کا نقیب' تنظیم کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ نقیب کے ادارے کی درستگی پر پوری تنظیم کی درستگی کا انحصار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ادارے کو مضبوط رکھنا نظم بالا کی اولین ذمہ داری ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حلقہ سندھ (زیریں) کی مجلس مشاورت میں یہ طے ہوا کہ ہر ماہ کے دوسرے جمعہ کو بعد نماز مغرب دفتر حلقہ میں نقباء کے لئے ایک تربیتی پروگرام منعقد کیا جائے۔ حلقہ کے ناظم تربیت جناب انجینئر نوید احمد نے اس پروگرام میں امراء سمیت مقامی تناظیم کے تمام عہدے داروں کو بھی شامل کر لیا تا کہ تمام ذمہ داران اپنے فرائض سے آگاہ ہو سکیں۔

اس سلسلے کا پہلا پروگرام ۸ فروری کو منعقد ہوا۔ اپنی افتتاحی گفتگو میں حلقہ کے امیر نے اس پروگرام کی غرض و غایت بیان کی۔ بعد ازاں' ناظم تربیت نے بتایا کہ اس پروگرام کا مقصد اپنی کوتاہیوں کو تلاش کرنا اور ان کی ازالے کی فکر کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج کا موضوع ''ذمہ داریاں'' ہوگا جس کے تحت ہر عہدیدار کی ذمہ داریوں کی تذکیر ہوگی۔ اس کے بعد نقباء اور دیگر عہدیداران سے ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ جوابات سے معلوم ہوا کہ ذمہ داران اپنی ذمہ داریوں سے آگاہی رکھتے ہیں۔ آخر میں ناظم تربیت نے نظام العمل میں درج ہر عہدے دار کی ذمہ داریاں پڑھ کر سنائیں۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں ذمہ داران مذاکرے کی صورت میں شریک رہے اور جناب انجینئر نوید احمد کی گفتگو نے اسے خاصا دلچسپ بنا دیا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

حلقہ پنجاب (جنوبی) کے زیر اہتمام ہفت روزہ تربیتی پروگرام

یہ پروگرام ۱۰ فروری سے ۱۶ فروری تک قرآن اکیڈمی' ملتان میں منعقد کیا گیا جس میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تقریباً ۱۵ رفقاء نے شرکت کی۔

پروگرام کا آغاز مرکزی ناظم تربیت جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر کی زیر نگرانی بعد نماز عصر ہوا۔ سب سے پہلے ہفتہ وار پروگرام کی تفصیل و ترتیب بتائی گئی۔ پروگرام میں روزانہ نماز مغرب کے بعد امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے لیکچرز بموضوع ''تنظیم اسلامی کا تعارف'' اور ''اسلام کا انقلابی منشور'' ویڈیو کیسٹ کی صورت میں سنوائے گئے۔ مزید برآں ایمانیات' عبادات' رسومات وغیرہ پر روزانہ دو دو لیکچرز دیئے گئے۔ اس کے علاوہ احیاء اسلام کے لئے گزشتہ اور موجودہ ادوار میں کام کرنے والی تحریکوں کا تعارف اور ان کی کارکردگی بھی بیان کی گئی۔ دوران تربیت جناب رحمت اللہ بٹر کا انداز تخاطب بے حد پسند کیا گیا۔

انہی ایام میں تنظیم اسلامی ملتان کے امیر جناب ڈاکٹر طاہر خاکوانی نے تنظیم اسلامی کے دستور اور نظام العمل کے بارے میں تفصیلی لیکچر دیئے۔

ایسے تربیتی پروگرام میں شرکت نہ صرف دین کے بارے میں فکر کی نئی راہیں کھولنے کا موجب بنتی ہے بلکہ ایک مسلمان کے اندر دین حق کو غالب کرنے کا جذبہ بھی بیدار کرتی ہے۔ تنظیم کے اکابرین کو ایسے پروگرام تسلسل کے ساتھ ترتیب دینے چاہئیں تا کہ راہ حق کے مسافران سے مستفید ہو سکیں۔

(رپورٹ: غلام مرتضیٰ خان)

اسرہ کھچی والا کی ماہانہ شب بسری

یہ پروگرام ۱۵ فروری کو بعد نماز مغرب شروع ہوا۔ ابتدا میں بھائی وقار نے ''دینی فرائض کا جامع تصور'' کے موضوع پر نصف گھنٹہ خطاب کیا۔ کھانے کے وقفہ اور عشاء کی نماز کے بعد تنظیم اسلامی بہاول نگر کے امیر جناب محمد منیر نے سورۂ یونس کے ایک رکوع پر درس دیا۔ اس کا دورانیہ تقریباً ایک گھنٹہ تھا۔ اس کے بعد تجوید قرآن کا پروگرام شروع ہوا جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ آرام کے وقفہ کے بعد صبح ساڑھے تین بجے سب ساتھیوں نے نماز تہجد ادا کی اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ فجر کے بعد ذوالفقار بھائی نے درس قرآن دیا جو کہ تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ نماز اشراق ادا کرنے کے بعد سب رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ (مرتب: شکیل حسین)

تنظیم اسلامی صادق آباد کی تنظیمی و دعوتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی صادق آباد اپنے امیر جناب حافظ خالد شفیع کی سرکردگی میں نہ صرف صادق آباد شہر بلکہ گردونواح میں بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ تنظیم میں جناب ڈاکٹر طاہر ابرار کی شمولیت سے رفقاء کو مزید تقویت ملی ہے۔ ان کی اہلیہ نے محترم حضرات کے تعاون سے ''صوت القرآن اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی ہے' جس کی عمارت کا ۲۰ فیصد حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ موصوفہ نے صاحب ثروت خاندانوں کی خواتین کو پردے کی طرف راغب کیا ہے' جس کا بہت مثبت اثر ہوا ہے۔ انہوں نے اپنی اس تحریک کو ''تحریک نجات'' کا نام دیا ہے۔

جناب پروفیسر خالد شفیع نماز جمعہ ماڈل ٹاؤن کی مسجد میں پڑھاتے ہیں جبکہ اتوار کے دن بعد نماز مغرب جناح ٹاؤن کی مسجد گلزار مدینہ میں درس دیتے ہیں۔ ہر پندرہ دن بعد سیٹلائٹ ٹاؤن میں جناب میاں اظہر کی رہائش گاہ پر درس قرآن ہوتا ہے۔ تنظیمی اجلاس ہر جمعہ کو تنظیم کے دفتر میں مغرب کے بعد شروع ہو کر رات گیارہ بجے تک جاری رہتا ہے۔ جناب حافظ خالد شفیع کو چونکہ ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر سکھر رہنا پڑتا ہے اس سے ان کے شیڈول کو مختصر کر دیا گیا۔ جناب ڈاکٹر طاہر ابرار جمعہ کے دن صوت القرآن اکیڈمی میں درس دیتے ہیں جبکہ ان کی اہلیہ ہر ہفتہ ایف ایف سی کے مینجمنٹ کلب میں درس دیتی ہیں۔ (رپورٹ: سجاد منصور)

تنظیم اسلامی لاہور (جنوبی) کے زیر اہتمام ماہانہ ''دعوت فورم''

ماہ جنوری کا یہ پروگرام ۲۵ تاریخ کو بعد نماز مغرب ''بنیاد پرستی اور ایمان'' کے موضوع پر منعقد ہوا۔ اس کی صدارت جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے کی جبکہ مقررین میں امریکہ سے آئے ہوئے ڈینئل سرجن جناب ڈاکٹر امجد اور ممتاز مترجم جناب سعید رومی شامل تھے۔ نظامت کے فرائض جناب اعجاز خان نے ادا کئے۔

پروگرام کا آغاز جناب عمیر افضال نے سورۃ الحج کے آخری رکوع کی تلاوت سے کیا۔ جناب ڈاکٹر امجد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اپنے نظریئے کے مطابق عملی زندگی گزارنا چاہتے ہیں' آج کے دور میں انہیں بنیاد پرست کہا جاتا ہے۔ امریکہ پوری دنیا کی معیشت کو اپنے قبضے میں لینا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ حکمران چاہے کوئی بھی ہو وہ امریکی مقاصد پورے کرے۔ امریکہ اپنے راستے میں کسی رکاوٹ کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔

جناب سعید رومی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہندو مسلمانوں کے سخت مخالف ہیں اور اس دشمنی میں ہر قسم کے ہتھکنڈے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے دشمن کو سمجھنا چاہئے اور اس کے مطابق اپنا لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے

جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے اپنے خطبہ صدارت میں واضح کیا کہ جب تک اسلام کا پیغام اعلیٰ علمی سطح پر دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا' اسلام کو عروج حاصل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے بتایا کہ برطانیہ میں ۱۹۶۰ء تک ''بنیاد پرستی'' کی اصطلاح کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ۱۹۸۰ء سے عالمی سطح پر تحقیق شروع کی گئی اور مختلف مذاہب میں بنیاد پرست گروہ پائے گئے۔ یورپ میں آج ماڈرن ازم کا دور دورہ ہے' جس کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

۱) ہر چیز کو سیکولر انداز میں پیش کیا جائے۔

۲) ہر چیز کو حقیقت پسندی کے معیار پر پرکھا جائے۔

۳) انفرادیت کو ترجیح دی جائے اور جو چیز جس کو پسند ہے' وہ اسے اپنائے۔ (مرتب: محمد افضل چوہدری)

ملتزم تربیت گاہ

رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں کہ مرکزی دفتر تنظیم اسلامی' گڑھی شاہو' لاہور میں ۱۷ تا ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء ملتزم تربیت گاہ منعقدہ ہو رہی ہے۔

many, not the least as 4,000 calculated by Carl Conetta in a comprehensive assessment of the war published by the Project on Defense Alternatives. There are either War Lords and the people with them or the Taliban in Afghanistan. The US is bent upon exterminating both. In any case, many died, and many others are being targeted in other "independent" and "sovereign" states to make the world more secure for the US and Israel. Are they? What has the 35 years occupation in Israel, 12 years sanctions against Iraq and campaign in Afghanistan achieved? Has the years of oppression in Algeria and Egypt achieved anything that Pakistan and others are also advised to resort to the same kind of tactics?

If the US and Israel couldn't achieve anything with unlimited use of the brutal force and unyielding appeasement of the "civilized world" today, they would not achieve anything tomorrow, except taking more and more innocent lives and transforming the world into a living hell.

The ground realities should give the European and other appeasers a pause as the Bush Administration threatens to expand the list of its enemies and the tactics to eliminate them. The "collateral damage" wrought by bombing Afghanistan, even if we reluctantly conclude, had the justification that the US faced a real threat to its security. Planning to attack other states - none of which have been shown to have had a part in September 11- and sticking to the same policy of sponsoring Israeli occupation and needless intervention in almost all the Muslim countries around the world would kill absolutely innocent people over a putative threat. How could the aggressors and their appeasers justify that?

Looking at the American approach to leading international affairs, the world - particularly the Muslims -- need to stand up the tell the US that enough is enough. The European leaders would not be able to ignore the reality with their tranquillised sensibilities. The problems of politics are being attributed to the religion. Islam is being blamed for inciting violence, promoting intolerance, and leading to extremism. Of course the US has no quarrel with the faith, but it definitely treats the Muslims as it used to treat Afro-Americans. The problem is not that the spiritual leaders are issuing violent fatwas; the problem is the violence and its promoters against which the fatwas are issued. The problem is not that radical Mullas are exhorting their followers to Jihad; the problem is that there is a need for it. Its only the use of word that makes it different from the US "war on terrorism." When Bush can issue a "fatwa" for unleashing all the forces at his disposal after the death of 2,800 Americans, why can't a religious leader in Palestine not issue a fatwa to go to Jihad as he sees dozens of his people die everyday at the hand of an occupying force that has crippled their lives for the last four decades?

The only time when the Muslim problem is insoluble without resorting to indiscriminate bombing is when the US and its allies insist on settling wrong by asking absolutely contradictory things. The US cannot make 1.5 billion people at one and the same time servile and dignified, docile and self-reliant, servants and independent leaders, segregated and yet part of the new world order, faithless and yet Muslims. This is impossible and the impossibility is not factitious; it is evident from the American and Israeli experience as well as it is in the very nature of things.

Wanting to be "rid" of problems is the main American tendency. It is not so much a desire to reach the best solution as it is to clean the board and start a new game. Most Americans have now been forced to get tired and impatient over the most sinister problem, the Muslims and Islam. They do not want to solve it, they do not want to understand the root causes, they want to simply be done with it like communism or Nazism and hear the last of it. Of all possible attitudes this is the most dangerous, because it fails to realise the most significant fact that Muslims have been marginalized and oppressed on global level at a time when the "civilised world" seems determined to see that no man is denied a reasonable chance for life, liberty and happiness.

Some of the Muslim brothers complain that the fault lies in the Muslim camp for they have many weaknesses - like illiteracy, dishonesty, selfishness, etc. The problem in the Muslim camp, in a nutshell, is their lack of interest in understanding and pleasing Allah. The neo-nazis, however, take advantage of their weakness of bowing down to the worldly powers. The problem of the 21st century is not that there is something wrong with Islam or its true believers; the real problem is the problem of the Religious Line drawn by the US.

The appeasers must understand that irrespective of the US unprecedented allocations to defence spending and the fall of the Taliban, the magic of the word "super power" is already broken. If not today, in two to three years, the super powers' graveyard in Afghanistan would welcome the fallen giant. The awakening of the Muslim Ummah is certain. That is awakening of the Muslims will follow in time, no unprejudiced student of history can doubt. Shall the awakening of these sleepy 1.5 billion be in accordance with, and aided by, the great ideal of the 'civilised world," or in spite of them and against them? This is the problem of the Religious Line. Force and Fear have until this time marked the American and its appeasing allies' attitude toward Muslim nations; shall this continue or be replaced by Freedom and Friendship?

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداع عالم سے عالمی نظام خلافت تک

تنزل اور ارتقاء کے مراحل

☆ حیات ارضی کا ارتقاء ☆ تکمیل تخلیق آدم

☆ عطاء خلعت خلافت ☆ رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل کا اعادہ

جیسے بہت سے اہم موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ڈارون تھیوری کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے تسلی بخش جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

قیمت: ۲۴ روپے ☆ عمدہ طباعت ☆ صفحات: ۱۰۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

The Cost of Appeasement.

As the establishment in Washington is busy identifying "evil" nations and targets for nuclear attacks, the time to pay the cost of appeasement is getting closer and closer for the collaborating Europeans, selfish Arabs, careless Africans and opportunist Asians. The world has been paying the cost of appeasement in the past. It is not something new that the supreme power of the time is not considered tyrannical, oppressive or unjust. The appeasers forever console themselves with the misconception that, at least, they are exempt from the wrath and the mighty is working to their advantage.

The US administration's slavering passion for dominance and inexorable drive for global hegemony has mobilized the Americans to the extent that has not been observed since 1930s when Hitler's machinery was in full gear. The American mood will not only tolerate, but perhaps demand more than the "first use" of nuclear weapons against the seven countries on the list provided to Congress on January 8 (LA Times, March 9, 2002). Whatever happened during the Nazi era at national level, is now happening at the international level in a more systematic manner. During the Nazi era, the enemy was unquestioning, but exterminable. During the Cold War, it was formidable. Now the enemy, though unmistakable, is disintegrated and the American national stirring is deep against him. Local apartheid and ethnic cleansing have been replaced by global ethnic cleansing. The silent spectators, nevertheless, have to pay the price for the oppressed as well as others on notice of merciless aggression.

The appeasers and the despots in the Muslim countries are following the policy of deliberate avoidance. For instance, for strengthening the Coalition against the Taliban, Tony Blair was quick to recognise legitimacy of a Palestinian state, but now the routine killing of a dozen Palestinians a day doesn't provoke even a hundredth of the sensitivity he displayed at the destruction of stone statues by the Taliban. Leaders like Hosnie Musharraf and Pervez Mubarak repeatedly claim that they are representing at least 90 percent of the Muslim population, which approves the US policies and its "war on terrorism." The Gallup poll, however, proves them utterly wrong in their claims when it reveals that only 9 percent of the people in nine Muslim countries believe that the US war on Afghanistan was justified (BBC, USA Today, February 27, 2002). Sixty one percent don't even accept the theory that Arab groups were behind the attack.

Contrary to the sweeping statements of the authoritarian leaders that 80 percent of the population stands behind their decision to join the US led coalition, the alarming figure of 77 percent declaring the US actions "unjustified" in the Gallup poll suggest that their grievance is not without any reason. Is the world becoming a secure place to live as the military, economic, political and media fronts are busy in pushing the Muslims against the wall? Thousands have keen killed in Afghanistan, Kashmir, Palestine, Chechnya, Bosnia, Algeria, Iraq, etc to make the world more secure. Is it?

Most of the appeasers conceded the inevitability of a "long war" to which, in Mr. Bush words, "Afghanistan is just the beginning." He roared this messaged to the audience of soldiers at Fort Campbell, Kentucky, last November. Would the appeasers have allowed the US to go for a war, however, if they knew its human costs, if they-knew that the bombing would kill far more civilians, would indirectly lead to thousands of other civilian deaths, and produce 500,000 refugees and displaced persons? They would certainly have given a green light, as they have already given. On the other hand, would the appeasers have demanded the US government to reconsider its foreign policy as an alternative to bombing others if they knew that their approval and support would help the US hit more than half a dozen Muslim and non-Muslim "evil" countries with nuclear bombs, use chemical weapons in Afghanistan to "smoke out" Al-Qaeda and the Taliban fighters, kill at least a thousand times more Muslims than the September 11 plotters killed Americans?

It seems that the appeasers think at one American step at a time. They don't foresee the consequences of the American approach to ruling the world and even if they do, they do not have the will to challenge it. In October 2001, when the bombing began, voices, the American consciences echoing them, warned that innocent Afghan civilians would be killed. But they were given the impression that they had been attacked, and they felt justified in striking back. Inquiries into the incidents were reduced. Investigations were deliberately hampered. Until December, not even the cooking up of evidence was attempted. The verdict was declared on BBC, CNN and other leading outlets during the first hour after the attack. Osama bin Laden was in Afghanistan. Al Qaeda ran terrorist training camps there. Osama had to be apprehended, al Qaeda broken up, the camps destroyed to make Americans safe against future terrorist attacks.

The Taliban government of Afghanistan had to be dislodged to accomplish these objectives. International law experts assured the appeasers that they didn't need worry that the Afghan government had declared no belligerency against the US and that no Afghan citizen had been among our attackers. A state can be held responsible for crimes against other states committed by groups on its territory, and in any case as a practical matter the Taliban was indistinguishable from al Qaeda. Of course, the appeasers told us to expect civilian casualties-but not this